## معارف کا زر تعاون

ہندوستان میں سالانہ ساٹھ روپے فی شمارہ پانچ روپے

پاکستان میں سالانہ ایک سو پچاس روپے

دیگر ممالک میں سالانہ ہوائی ڈاک پندرہ پونڈ یا چوبیس ڈالر

بحری ڈاک پانچ پونڈ یا آٹھ ڈالر

پاکستان میں ترسیل زر کا پتہ :۔ حافظ محمد یحییٰ شیرستان بلڈنگ

بالمقابل ایس ایم کالج ۔ اسٹریچن روڈ ۔ کرا

- سالانہ چندہ کی رقم منی آرڈر یا بینک ڈرافٹ کے ذریعہ بھیجیں ، بینک ڈرافٹ درج ذ
نام سے بنوائیں :

ARUL MUSANNEFIN SHIBLI ACADEMY AZAMGARH

- رسالہ ہر ماہ کی ۱۵ تاریخ کو شائع ہوتا ہے ، اگر کسی مہینہ کے آخر تک رسالہ نہ پہونچے تو اس
اطلاع اگلے ماہ کے پہلے ہفتہ کے اندر دفتر معارف میں ضرور پہونچ جانی چاہیے ، اس کے
رسالہ بھیجنا ممکن نہ ہوگا ۔
- خط و کتابت کرتے وقت رسالے کے لفافے کے اوپر درج خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دی
- معارف کی ایجنسی کم از کم پانچ پرچوں کی خریداری پر دی جائے گی ۔
کمیشن ۲۵٪ ہوگا ——— رقم پیشگی آنی چاہیے ۔


---


جلد ۱۴۹ ماہ ذی الحجہ ۱۴۱۲ھ مطابق ماہ جون ۱۹۹۲ء عدد ۶


## مضامین



## مقالات



## ادبیات



---

# شذرات

## آہ! فرزندِ حبیبِ شبلی

### قفا نبک من ذکری حبیب ومنزل

نواب الحاج مولوی عبید الرحمٰن خان شروانی کئی برس سے علیل تھے۔ ان کی زندگی کے معمولات میں فرق آگیا تھا، کمیٹیوں میں شرکت کے لیے سفر سے معذور ہو گئے تھے۔ بڑھاپے اور عمرِ طبعی کو پہونچ جانے کی وجہ سے ضعف ونقاہت میں اضافہ ہو رہا تھا۔ راقم کو گذشتہ سال دو بار عیادت وزیارت کی سعادت میسر آئی تھی۔ اور دونوں دفعہ بڑھتی ہوئی کمزوری اور معذوری کو دیکھ کر خیال ہوا تھا کہ یہ چراغِ سحر بجھا ہی چاہتا ہے۔ بالآخر ۸ مئی کو صاحبزادہ والا تبار پروفیسر ریاض الرحمٰن خان شروانی کے تار سے یہ المناک خبر آہی گئی جس نے پھر اس ارشادِ ربانی کی ایک بار تصدیق وتوثیق کر دی کہ کُلُّ مَنْ عَلَیْھَا فَانٍ

---

دارالمصنفین کی بنا وتاسیس میں علامہ شبلیؒ اور ان کے متعدد اعزہ کی طرح نواب مولوی عبید الرحمٰن خان شروانی کے خاندان کا بھی بڑا حصہ تھا، ان کے والد ماجد نواب صدر یار جنگ بہادر مولانا حبیب الرحمٰن خان شروانی مرحوم علامہ شبلی کے حبیب لبیب تھے۔ جب علامہ کے دل ودماغ پر دارالمصنفین ہی کا خیال چھایا رہتا تھا تو اس کے متعلق سب سے زیادہ انھی سے مراسلت ومکاتبت رہتی تھی۔ علامہ شبلی کی وفات کے بعد یہی ربط وتعلق دارالمصنفین کی جانب منتقل ہو گیا



تھا جس کے مدۃ العمر وہ رکن رکین اور صدر نشین رہے، دارالمصنفین کے پہلے صدر حشمت مولوی کرامت حسین اور دوسرے نواب عماد الملک اور تیسرے مولانا حبیب الرحمٰن خاں شروانی ہوئے، مولانا حمید الدین فراہی کی وفات کے بعد ۱۹۳۰ء میں وہی اس کی مجلس ارکان کے بھی صدر بنے، دوسروں سے علامہ کے تعلقات میں آتار چڑھاؤ ہوتا رہا لیکن ایک نواب صدر یار جنگ ہی کی ایسی ذات تھی جن سے عمر بھر اخلاص ومودت میں کمی نہیں آئی، ایک دفعہ مولوی عبید الرحمٰن خاں شروانی نے فرمایا تم اندازہ نہیں کر سکتے کہ مولانا شبلی مرحوم سے میرے والد مرحوم کے کتنے گہرے اور مخلصانہ تعلقات تھے گویا متمم بن نویرہ کے بقول :۔

وکنا کندمانی جذیمۃ حقبۃ     من الدھر حتی قیل لن یتصدعا

---

علی گڑھ کا ممتاز ومعزز شروانی خاندان بہلول خاں لودی کے دور میں ہندوستان آیا اور سپہ سالاری کے منصب پر فائز ہوا اسی زمانہ میں اس خاندان کے دو اشخاص علی گڑھ میں آباد ہوئے جنکی اولاد مدت تک زمیندار رہی، درمیان میں جاٹ گردی کی وجہ سے زمینداری چھوڑ کر جلاوطن رہنا پڑا لیکن کچھ عرصہ بعد اسی خاندان کے ایک بزرگ باز خاں صاحب اپنی آبائی ریاست پر قبضہ کر کے بھیکم پور میں آباد ہوئے انکو بڑا عروج نصیب ہوا، انکے پیر ومرشد نے انہیں دوبارہ بھیکم پور میں متوطن ہونے کا حکم دیا، انکے ایک بیٹے خاں زماں صاحب کے بیٹے محمد تقی خاں صاحب مولانا حبیب الرحمٰن خاں شروانی کے والد بزرگوار تھے، باپ نے بیٹے کے نام پر حبیب گنج کو آباد کیا جو بھیکم پور سے کچھ فاصلہ پر واقع ہے، یہیں ربیع الاول ۱۳۱۵ھ مطابق اگست ۱۸۹۷ء میں نواب عبید الرحمٰن خاں شروانی پیدا ہوئے جو نواب صدر یار جنگ کے خلف الرشید تھے۔ وکفی بہ فخراً۔

---

نواب عبید الرحمٰن خاں شروانی حصول تعلیم کے لیے مدرسۃ العلوم کے اسکول میں داخل ہوئے اور [illegible]ء میں عربک کالج دہلی سے انٹرنس پاس کیا [illegible]ء میں ایف اے میں علی گڑھ میں داخلہ لیا مگر والد ماجد کے حیدر آباد تشریف لیجانے کی وجہ سے ریاست اور خاندان کی ذمہ داری انہیں سنبھالنی پڑی اس لیے تعلیم کا سلسلہ منقطع ہوگیا، عملی زندگی میں قدم رکھتے ہی ان کو گوناگوں ذمہ داریوں کا بوجھ اٹھانا پڑا کئی برس تک آنریری اسپیشل مجسٹریٹ رہے، ۲۳ء میں صوبہ کی آئین ساز اسمبلی کے ممبر منتخب ہوئے اور پھر مسلسل ممبر منتخب ہوتے رہے ۴۵ء میں پہلی دفعہ انہیں الکشن میں مقابلہ کرنا پڑا تو مخالف امیدواروں کی ضمانتیں ضبط ہوگئیں، ان سے زیادہ طویل عرصے تک شاید ہی کوئی اسمبلی کا ممبر رہا ہو، ان کی قومی خدمات کی بنا پر ۱۹۲۸ء میں حکومت نے انہیں خان بہادر کا خطاب دیا، مسلم لیگ کی آل انڈیا ورکنگ کمیٹی کے ممبر بھی رہے اور صوبہ کی زمیندار ایسوسی ایشن کے نائب صدر اور علی گڑھ کی زمیندار اسمبلی کے صدر چنے گئے، صوبہ کے بورڈ آف اکانمک انکوائری کی پلاننگ کمیٹی اور پبلک اکاونٹس کمیٹی کے ممبر اور صدر مقرر ہوئے چھ سال تک انٹرمیڈیٹ اور ہائی اسکول کے تعلیمی بورڈ کے اور تین سال تک یونیورسٹی گرانٹس کمیشن کے ممبر رہے۔

---

شروانی صاحب کی دلچسپی اور سرگرمی کا خاص محور مسلم یونیورسٹی تھی جس سے ان کا ذمہ دارانہ تعلق [illegible]ء ہی میں قائم ہوگیا تھا جو اب وفات کے بعد جاکر ختم ہوا ہے، پہلے وہ اس کے فاونڈیشن کمیشن کے رکن ہوئے، ۲۳ء میں کورٹ اور ایگزیکیٹو کونسل کے رکن منتخب ہوئے چار بار وائس چانسلر اور تین بار خازن مقرر ہوئے، ۴۲ء سے اب تک انھوں نے پرو چانسلر کے عہدے کو زینت بخشی، آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس سے بھی وہ برابر وابستہ رہے، اس کے اسٹینڈنگ کمیٹی کے ممبر اور خازن رہے، کانفرنس کے کئی جلسوں کی استقبالیہ کمیٹی کے



صدر ہوئے ۴۹ء میں اپنے والد مرحوم کی جگہ اس کے سکریٹری مقرر ہوئے، چند برس تک ان کی ادارت میں کانفرنس گزٹ شایع ہوتا رہا، یونیورسٹی سے کبھی انھوں نے ایک حبہ کا بھی فائدہ نہیں اٹھایا بلکہ اس کے لیے ہمیشہ اپنی دولت، محنت، وقت اور قابلیت کی قربانی دی، ۳۵ء میں وہ یونیورسٹی کے خازن ہوئے، اس وقت اس عہدہ کی تنخواہ پانچ سو روپیے ماہوار تھی مگر انھوں نے یہ کام حسبۃ للہ انجام دیا۔

---

مرحوم کو یونیورسٹی سے غیر معمولی جذباتی لگاؤ تھا، وہ اس کو ہندوستانی مسلمانوں کا سب سے بڑا سرمایہ اور قیمتی متاع سمجھتے تھے، ان کے خیال میں یونیورسٹی نے مسلمانوں میں تعلیم کو فروغ دیکر ملک میں انکے وزن و وقار میں اضافہ کیا ہے، وہ فرماتے تھے کہ اس کے لیے سر سید علیہ الرحمہ کو بہت کچھ طعن و تشنیع سننا پڑی، یہانتک کہ انکی تکفیر بھی کی گئی، لیکن آج انہی لوگوں کی نسلیں اس سے فائدہ اٹھا رہی ہیں، یونیورسٹی سے ان کو ایسا عشق تھا کہ اس پر جب بھی کوئی آنچ آئی تو وہ بیقرار ہوگئے، اس کو مجروح کرنے کی جو کوشش و سازش کی گئی اُسے وہ ناکام بنانے میں لگ گئے، یہاں شر پسند لوگ کوئی فتنہ و ہنگامہ برپا کرتے تو وہ کرب و اذیت میں مبتلا ہوجاتے، جب اس کا اقلیتی کردار ختم کیا گیا تو اس کو بحال کرنے کی مہم میں پیش پیش رہے۔

---

علی گڑھ کے بعد ان کو دار المصنفین اور دار العلوم ندوۃ العلما سے خاص لگاؤ تھا، دونوں کے رکن رکین تھے اور بڑی پابندی سے ان کے جلسوں میں شرکت کے لیے تشریف لاتے تھے، وہ دار المصنفین کی متعدد کمیٹیوں کے ممبر تھے اور اسے اپنے تجربات اور بزرگانہ مشوروں سے پورا فائدہ پہنچاتے، ان کی رائے کا بڑا وزن محسوس کیا جاتا تھا، کبر سنی کی وجہ سے جب یہاں آنے میں ان کو دشواری ہونے لگی تو ان کی سہولت کے خیال سے جناب سید صباح الدین عبد الرحمٰن صاحب لکھنؤ اور دہلی میں جلسے کرتے اور کبھی کبھی ان کو لینے کے لیے آدمی بھی بھیجتے

دارالمصنفین سے ان کو ایسا والہانہ تعلق تھا کہ جب بھی ملاقات ہوتی تو یہاں کے ایک ایک شخص کی خیریت دریافت کرتے اور اس کی سرگرمیوں کے بارے میں واقفیت حاصل کرتے، اگر اس کے بارے میں کوئی ناخوشگوار بات سنتے تو بہت بے چین ہو جاتے، ادھر اس کی ایک تشویشناک بات سے بہت پریشان اور متردد رہتے تھے، دارالمصنفین کے لیے ان کا وجود بڑا سہارا تھا افسوس اب وہ ختم ہو گیا اور دارالمصنفین اپنے ایک بہت مخلص ہوا خواہ سے محروم ہو گیا، مولانا شبلیؒ سے فرط تعلق کی بنا پر شبلی کالج کو بھی بہت عزیز رکھتے تھے، انہیں مسلمانوں کے تمام اداروں سے ہمدردی تھی اور وہ سب کی مدد بھی کرتے تھے، دارالعلوم دیوبند، اسلامیہ کالج اٹاوہ، مزمل اسلامیہ انٹر کالج سکندرہ راؤ اور جامعہ اردو علی گڑھ وغیرہ سے ان کا باضابطہ تعلق تھا۔

---

مرحوم صوم و صلوٰۃ اور اوراد و وظائف کے پابند اور بڑے متشخص تھے، سفر میں بھی تلاوت قرآن، شب بیداری اور سحر خیزی کے معمول میں فرق نہ آنے دیتے، جوانی ہی میں حج و زیارت کی سعادت حاصل کر چکے تھے، تدین، تقویٰ اور دینی غیرت و حمیت ان میں بدرجہ اتم تھی، اخلاص، بے لوثی، ہمدردی، دردمندی، شفقت و مروت، نرمی و ملاطفت، عفو و حلم، ضبط و تحمل، خوش خلقی، مہمان نوازی، تواضع اور انکسار ان کی سرشت میں داخل تھا، تہذیب و شرافت، سنجیدگی و شائستگی، متانت و وقار، وضعداری، رکھ رکھاؤ اور سیرت کی پختگی و استواری کا مجسم نمونہ تھے، بڑے مرتب، ہر کام میں اعتدال پسند، نہایت چاق و چوبند اور وقت کے بہت پابند تھے، بے سلیقگی اور نظم و ضبط کی خلاف ورزی کو پسند نہیں کرتے تھے، وہ رئیس تھے اور امارت و تنعم میں ان کی پرورش ہوئی تھی لیکن رعونت، نخوت، تمکنت اور گھمنڈ کا شائبہ بھی ان میں نہ تھا اور کسی کو اپنی ریاست و امارت کا احساس نہیں ہونے دیتے تھے، فروتنی کا یہ حال تھا کہ اپنے ملازمین اور صاحبزادگان کو بھی آپ کہکر



مخاطب کرتے تھے، طبیعت میں بڑی خودداری اور استغنا تھا، مال و جاہ کی ہوس کبھی دامنگیر نہیں ہوئی، خود نمائی، خودستائی اور شہرت و نمود سے نفرت تھی، گھر پر خدمت گزاروں کی کمی نہیں تھی لیکن اپنا ضروری کام خود ہی کر لیتے تھے، اپنے خوردوں کو بھی اپنی خدمت کا موقع نہیں دیتے تھے، بڑھاپے اور معذوری کے باوجود کسی سے کام لینا گوارا نہیں تھا، ہر طبقہ کے لوگ ان سے ملنے آتے تھے اور سب سے بشاشت سے ملتے اور یکساں انداز سے پیش آتے نہ کسی کی بڑائی سے مرعوب ہو کر اس کی ضرورت سے زیادہ اہمیت دیتے اور نہ کسی کو چھوٹا سمجھکر اس کی تحقیر اور دلآزاری کرتے، بڑے معاملہ فہم تھے، بہت جلد ہر مسئلہ کی گہرائی میں پہنچ جاتے اور اس کا حل ڈھونڈھ لیتے، نہایت مردم شناس تھے کوئی شخص ان کو دھوکا دے کر نہ ان سے غلط کام لے سکتا تھا اور نہ ناجائز سفارش کرا سکتا تھا، وہ خود بھی علی گڑھ یونیورسٹی کے معزز عہدوں پر متمکن رہے لیکن اپنے اعزہ اور خاص متعلقین کو بھی ناجائز فائدہ اٹھانے کا موقع نہیں دیا، کسی نظام میں خلل انداز ہونا اور کسی شخص پر غلط دباؤ ڈالنا ان کے مزاج کے خلاف تھا۔

---

شروانی صاحب نے اپنی خاندانی روایات کو قائم رکھنے اور اپنے والد مرحوم کے متروکات کو ان کی اصلی حالت میں باقی رکھنے کے لیے سعی بلیغ کی اور حسن تدبیر سے اپنی زمین جائداد اور مکانات کو بھی بچایا، ان میں بھی اپنے والد ہی کی طرح ایسی صحیح مذہبیت اور راسخ العقیدگی تھی جس میں تعصب اور نفرت کا شائبہ نہ تھا، ان کو بھی مختلف الجماعات اور متضاد خیالات رکھنے والے افراد سے تعلقات کو نبھانے کا اچھا سلیقہ تھا، جس سے جس نوعیت کا تعلق قائم ہو جاتا وہ پتھر کی لکیر بن جاتا، اختلاف خیال اور اختلاف مذاق سے ہرگز اس میں کمزوری نہ پیدا ہونے دیتے، صبح کی تفریح میں جہاں جانے اور بیٹھنے کا معمول

بن جاتا اس کو خندگی سے قائم رکھتے، مرحوم اعظم گڈھ تشریف لاتے تو صبح کی ڈاک کے بعد میری قیام گاہ پر تشریف لاکر ہلکا ناشتہ اور چائے پیتے، وہ جب بھی اعظم گڈھ آئے تو اس معمول کے مطابق انھوں نے میری عزت افزائی فرمائی، دراصل وہ اپنے والد مرحوم کی سیرت و اخلاق کی تمام خوبیوں اور کمالات کی جیتی جاگتی تصویر اور الولد سر لابیہ کی مکمل مثال تھے، میں علی گڑھ جاکر اگر کبھی ان کے دولت کدہ پر قیام نہ کرتا تو ان کو تکلیف ہوتی جس کو کبھی کبھی ظاہر بھی کر دیتے، افسوس اب وضعداری، شرافت، تہذیب و شائستگی کا یہ نمونہ کبھی دیکھنے کو نہیں ملے گا، بارالہا تو نے اپنے اس نیک بندے کو دنیا میں جو عزت و مقبولیت بخشی تھی، عالم آخرت میں بھی اسے وہی اعزاز و کامرانی بخش اور اس کی نیکیوں کے بدلے میں اسے جنت نعیم عطا فرما آمین برحمتک یا ارحم الراحمین۔

انشاء اللہ ان سطور کی اشاعت کے وقت راقم اس مقدس سرزمین پر ہوگا جس کی زیارت کی تمنا ہر مسلمان کو بدو شعور ہی سے ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے اپنے خاص فضل و کرم سے اس کا سامان کر دیا، اس نے میرے جن دوستوں اور کرم فرماؤں کو اس کا وسیلہ بنایا ان سب کو جزائے خیر دے۔

---

افسوس ۲۳ مئی کو شبلی کالج کے سابق استاد جناب محمد مجید زبیری کا علی گڑھ میں انتقال ہوگیا، ریٹائر ہونے کے بعد وہ جناب سید صباح الدین عبدالرحمن مرحوم کے اصرار پر دار المصنفین کے شعبہ انصرام سے وابستہ ہوئے، اپنی نیکی، بھلمنساہت، صلح پسند طبیعت اور ایمانداری و دینداری کی وجہ سے ہر طبقہ میں مقبول و محترم تھے، صحافی و شاعر بھی تھے تقریباً دو سال قبل سخت بیمار ہوئے، علاج کے لیے اپنی صاحبزادی کے پاس علی گڑھ چلے گئے، اور وہیں سے سفر آخرت اختیار کیا، اللہ تعالیٰ بال بال مغفرت فرمائے اور پس ماندگان کو صبر و رضا کی توفیق دے، آمین



# مقالات

## رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں

## مدینہ کے یہود

از مولوی جلال عبدالحی حسنی ندوی صاحب

(۲)

**تعلیمی و ثقافتی حالت** بلاد عرب کے یہود کی زبان عربی تھی لیکن اس میں کسی حد تک عبرانی کی بھی آمیزش ہوگئی تھی اس لیے کہ انھوں نے عبرانی زبان کا استعمال پوری طرح ترک نہیں کیا تھا بلکہ عبادات اور دینی اصطلاحات میں وہ عبرانی ہی کو استعمال کرتے تھے[1] عربوں کے نزدیک وہ علمی و تعلیمی حیثیت سے ممتاز تھے اور باوجودیکہ یہود سے اوس و خزرج کی مستقل کشمکش رہتی تھی تاہم انہیں بھی یہود کے علم و فضل اور دینی واقفیت کا اعتراف تھا۔

یہود کے مختلف تعلیمی مراکز بھی قائم تھے جہاں ان کے دینی و دنیوی امور اور شرعی احکام کی تعلیم کے علاوہ ان کے انبیاء کے حالات و تاریخ پڑھنے اور پڑھانے کا اہتمام کیا جاتا تھا، یہ مراکز مدارس کے نام سے موسوم کیے جاتے تھے جو صرف درس و تعلیم ہی کے لیے مخصوص نہیں ہوتے تھے بلکہ ان میں اجتماعی و سیاسی امور

---

[1] مکہ والمدینۃ فی الجاہلیۃ و عہد الرسول ص ۲۰۳۔

ومسائل کے بارے میں بھی مشورے ہوتے تھے یہ مراکز علمائے یہود کے زیر نگرانی اپنی خدمات انجام دیتے تھے جن میں اہم نام عبداللہ بن سلام کا تھا جن کو بعد میں اللہ نے نعمت اسلام سے مشرف فرمایا۔ دوسرا نام عبداللہ بن صوریا کا لیا جاتا ہے جن سے زیادہ بڑا عالم اور توراۃ میں درک رکھنے والا ان کے زمانہ میں کوئی دوسرا شخص نہیں تھا[1] علامہ ابن اسحاق فرماتے ہیں لم یکن فی زمانہ اعلم بالتوراۃ منہ[2]

بعض صحیح احادیث میں بھی ان مراکز کا ذکر اور اس کا ثبوت موجود ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ان میں تبلیغ ودعوت کی غرض سے تشریف لے جایا کرتے تھے، صحیح بخاری میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے :

| | |
|---|---|
| بینما نحن فی المسجد اذ | اس اثنا میں کہ ہم لوگ مسجد میں تھے |
| خرج علینا رسول اللہ | کہ ہمارے پاس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم |
| صلی اللہ علیہ وسلم فقال | تشریف لائے اور فرمایا کہ یہود کے |
| انطلقوا الی یھود فخرجنا | پاس چلو چنانچہ ہم لوگ آپ کے ساتھ |
| معہ حتی جئنا بیت المدارس | گئے یہانتک کہ مدارس میں پہنچے، وہاں |
| فقام النبی صلی اللہ علیہ وسلم | نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود کو پکار کر |
| فناداھم، یامعشر الیھود | فرمایا کہ اے یہودی لوگو! اسلام لاؤ |
| اسلموا تسلموا فقالوا قد | تو تم سلامت رہوگے، یہود نے کہا ابوالقاسم |
| بلغت یا ابا القاسم فقال | آپ نے پیغام پہنچا دیا آپ نے فرمایا ہاں |

[1] بنو اسرائیل فی القرآن والسنۃ ص ۸۰ [2] الروض الانف ج ۲ ص ۲۲



| | |
|---|---|
| ذلک ارید ثم قالھا الثانیہ | میرا یہی مقصد تھا، پھر آپ نے دوبارہ |
| فقالوا قد بلغت یا ابا القاسم | یہی فرمایا تو انھوں نے کہا ابوالقاسم |
| ثم قال (النبی صلی اللہ علیہ وسلم) | آپ نے پیغام پہنچا دیا پھر آپ نے تیسری |
| فی الثالثہ، اعلموا ان الارض | مرتبہ فرمایا کہ تم لوگ جان لو کہ زمین اللہ |
| للہ ولرسولہ وانی ارید | اور اس کے رسول کی ہے اور میں تم لوگوں |
| ان اجلیکم فمن وجد منکم | کو جلا وطن کرنا چاہتا ہوں تو تم سے جس کا |
| بمالہ شیئاً فلیبعہ والا فا | کوئی مال ہو اس کو اسے بیچ دینا چاہیے |
| علموا ان الارض للہ ولرسولہ[1] | ورنہ یہ جان لو کہ زمین اللہ اور اسکے |
| | رسول کی ہے۔ |

آپ کی اقتدا میں بعض صحابہ کرام بھی ان مرکزوں میں دعوت دین کے لیے تشریف لے جاتے تھے چنانچہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ وہاں جاکر ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کی دعوت دیتے اور لوگوں کو اسلام کی طرف راغب کرنے کی کوشش کرتے۔

**سیاسی واجتماعی صورتحال**

اوس وخزرج سے شکست کے بعد یہود اپنی مخصوص بستیوں میں رہتے تھے جن میں قلعے اور مستحکم عمارتیں بنی ہوئی تھیں انھوں نے امرائے مدینہ سے معاہدے کیے اور رؤسائے عرب کو اپنا حلیف بنایا۔ ان کے تینوں بڑے مشہور قبائل بنو قینقاع، بنو قریظہ اور بنو نضیر میں ان بن رہتی تھی جو بڑھ کر جنگ وجدال کی صورت بھی اختیار کرلیتی تھی ڈاکٹر ولفنسن لکھتا ہے :

[1] صحیح البخاری باب فی بیع المکرہ ..... من کتاب الاکراہ۔

"بنی قینقاع اور دوسرے یہودیوں میں چلی آرہی تھی جس کا سبب یہ تھا کہ وہ قبیلۂ خزرج کے ساتھ یوم بعاث میں شریک تھے، بنی نضیر و بنی قریظہ نے بڑی بے دردی سے کشت و خون کر کے ان کا شیرازہ منتشر کر دیا تھا حالانکہ انھوں نے گرفتار ہونے والے تمام یہود کا فدیہ بھی ادا کر دیا تھا یوم بعاث کے بعد ہی سے یہودی قبائل میں نزاع کی بنا پر جب بنو قینقاع اور انصار کے درمیان جنگ ہوئی تو ان کا کسی یہودی نے ساتھ نہیں دیا"[۱]

قرآن مجید میں بھی یہود کی اس باہمی عداوات اور خانہ جنگی کا ذکر موجود ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

| | |
|---|---|
| وَاِذْ اَخَذْنَا مِیْثَاقَکُمْ لَا | اور جب لیا ہم نے اقرار تمہارا نہ |
| تَسْفِکُوْنَ دِمَاءَکُمْ وَلَا | کروگے خون آپس میں اور نہ نکال |
| تُخْرِجُوْنَ اَنْفُسَکُمْ مِّنْ | دوگے اپنوں کو اپنے وطن سے پھر تم |
| دِیَارِکُمْ ثُمَّ اَقْرَرْتُمْ وَاَنْتُمْ | نے اقرار کیا اور تم مانتے ہو، پھر تم |
| تَشْهَدُوْنَ ثُمَّ اَنْتُمْ هٰؤُلَاءِ | ویسے ہی خون کرتے ہو آپس میں |
| تَقْتُلُوْنَ اَنْفُسَکُمْ وَتُخْرِجُوْنَ | اور نکال دیتے ہو اپنے ایک فرقہ |
| فَرِیْقًا مِّنْکُمْ مِّنْ دِیَارِهِمْ | کو ان کے وطن سے چڑھائی کرتے ہو |
| تَظٰهَرُوْنَ عَلَیْهِمْ بِالْاِثْمِ | ان پر گناہ سے اور ظلم سے اور اگر وہی |
| وَالْعُدْوَانِ وَاِنْ یَّاْتُوْکُمْ | آویں تمہارے پاس کسی کی قید میں پڑے |
| اُسٰرٰی تُفٰدُوْهُمْ وَهُوَ | تو ان کی چھڑوائی دیتے ہو اور وہ بھی |
| مُحَرَّمٌ عَلَیْکُمْ اِخْرَاجُهُمْ (بقرہ ۸۴، ۸۵) | حرام ہے تم پر ان کا نکال دینا۔ |

[۱] بحوالہ الیہود فی بلاد العرب۔



امام رازی فرماتے ہیں کہ اس آیت کے مخاطب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معاصر علمائے یہود ہیں کیونکہ آیات بالا سے قبل "ثُمَّ تَوَلَّیْتُمْ اِلَّا قَلِیْلًا مِّنْکُمْ" (بقرہ ۸۳) کہا گیا ہے[۱] علامہ قرطبی فرماتے ہیں کہ یہاں سے خطاب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معاصر یہود سے ہو گیا ہے[۲]

مولانا عبدالماجد صاحب دریابادی اس آیت کی تفسیر میں رقمطراز ہیں:

"یہود کے جو قبیلے عہد نبوی میں مدینہ اور جوار مدینہ میں آباد تھے ان کی ایک عادت یہ بھی تھی کہ باہمی خانہ جنگیوں میں مصروف رہا کرتے تھے، مشرکین مدینہ دو بڑی ٹکڑیوں میں بٹے ہوئے تھے ایک اتحاد اوس کا تھا دوسرا خزرج کا، اسرائیلیوں کے بھی بڑے قبیلے بنی نضیر، بنی قریظہ وغیرہ ایسا ہی کرتے کہ ان میں سے ایک مشرکین کے ایک جتھے کے ساتھ ہو جاتا اور دوسرا دوسری پارٹی کے ساتھ اور پھر جنگ جب شروع ہو جاتی تو ظاہر ہے کہ وہ سب کچھ ہوتا جو جنگ میں ہوا کرتا ہے۔ جلاوطنی، اسرائیلی کا قتل اسرائیلی کے ہاتھ سے وغیرہ، اس آیت میں عہد نبوی کے معاصر اسرائیلیوں کی یہی خصوصیات بے نقاب کی جارہی ہیں"[۳]

یہ بات بھی واضح رہے کہ قبائل اوس و خزرج میں انتشار پیدا کرنے والے بھی یہود تھے جو خود ان کی باہمی خانہ جنگی کا سبب بن گیا تھا تاہم وہ یہ بات خوب جانتے تھے کہ ان قبائل کا اتحاد ان کے لیے زہر ہلاہل سے کم نہیں اور اس سے ان کے معاشی استحکام کو بڑا خطرہ لاحق ہوگا اس لیے وہ اس فکر میں رہتے کہ ان میں اتحاد

[۱] تفسیر کبیر ج ۳ ص ۱۷۰۔ [۲] تفسیر ماجدی ج ۱ ص ۱۵۲ [۳] ایضاً۔

نہ ہو سکے لیکن جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ اللہ نے ان کو ملا دیا تو وہ انکے اتحاد کو پارہ پارہ کر دینے کے لیے ہر دم تگ و دو کیا کرتے تھے چنانچہ ایک مرتبہ اسلام لانے کے بعد اوس و خزرج کے چند اشخاص آپس میں گفتگو کر رہے تھے کہ ایک شمر یہودی وہاں سے گذرا اس کو ان کا یہ میل ملاپ بالکل نہ بھایا اور اس نے انکے درمیان بیٹھ کر ان کو برانگیختہ کرنے کے لیے جنگ بعاث کا ذکر چھیڑ دیا جس سے وہ لوگ برافروختہ ہو گئے لیکن اچانک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وہاں تشریف لائے اور معاملہ رفع دفع ہو گیا، اس طرح کے اور بھی متعدد واقعات ہیں جن سے یہود کے سازشی اور فتنہ پرور ذہن کا اندازہ ہوتا ہے کہ باہمی جنگ و جدال کے باوجود انہیں دوسروں کا اتحاد کسی طرح گوارا نہیں تھا۔

**یہود کی شریعت انکی عبادات و معاملات اور تورات میں ان کی تحریفات**

یہود صاحب شریعت تھے اور عبادات و معاملات میں اسی کی پابندی کرتے تھے لیکن ان کی شریعت کا بعض حصہ تو تورات سے ماخوذ تھا اور بعض احکام انکے علما اور کاہنوں کے وضع کردہ تھے، ان کے بعض شرعی و دینی احکام کا ذکر صحیح احادیث میں موجود ہے[1] ان کے یہاں جشن کے خاص ایام مقرر تھے، سب سے مشہور عید الحصاد تھی جو سال کے ابتدا میں منائی جاتی تھی اسی طرح وہ عید الفطیر مناتے تھے اور سمجھتے تھے کہ اسی دن حضرت موسیٰؑ نے اپنی قوم کو لے کر ہجرت فرمائی تھی اور ان کو فرعون سے نجات ملی تھی۔ سبت (ہفتہ) کو وہ سب سے مقدس دن مانتے تھے اس دن کوئی کام نہیں کرتے تھے ان کے یہاں نماز کے احکام و مسائل بھی تھے

[1] مسلم، ابوداؤد اور دوسری حدیث کی مشہور کتابوں میں اس کا ذکر موجود ہے۔



لیکن اس کی متعین شکل و ہیئت کا پتہ لگانا مشکل ہے، اسلام کے برخلاف یہودیوں کے یہاں نماز کے احکام و قوانین زمانے کے ساتھ بدلتے رہے اور ان میں اصلاح و تجدید کا عمل بھی ہوتا رہا[1] ان کے یہاں صدقہ و زکوٰۃ کے بھی بعض احکام پائے جاتے تھے، حضرت علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا کے حوالہ سے تحریر فرماتے ہیں :

" تورات سے معلوم ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل پر زمین کی پیداوار اور جانوروں میں ایک عشر یعنی دسواں حصہ[2] نیز بیس برس یا اس سے زیادہ عمر والے پر خواہ امیر ہو یا غریب آدھا مثقال دینا واجب تھا[3] ساتھ ہی غلہ کاٹتے وقت گرا پڑا اناج کھلیان کی منتشر بالیاں اور پھل والے درختوں میں کچھ پھل چھوڑ دیتے تھے جو مال کی زکوٰۃ تھی اور عملاً ہر تیسرے سال واجب الادا ہوتی تھی[4]"

حضرت سید صاحبؒ نے انکی زکوٰۃ کے بعض مصارف کی تفصیل بھی قلمبند کی ہے۔ کچھ خاص ایام میں وہ اجتماعی یا انفرادی طور سے روزہ بھی رکھتے تھے عاشورا کے روزے کا ذکر صحیح احادیث میں موجود ہے ملاحظہ ہو :

| | |
|---|---|
| قدم رسول اللہ صلی اللہ | حضور صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف |
| علیہ وسلم المدینۃ فرای | لائے تو آپؐ نے دیکھا کہ یہود عاشورا |
| الیهود تصوم یوم عاشوراء | کا روزہ رکھتے ہیں، آپؐ نے فرمایا کہ |
| فقال ما هذا الیوم الذی | یہ کون سا دن ہے جس میں تم روزہ |

[1] اسکی تفصیل مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی تصنیف لطیف ارکان اربعہ میں دیکھی جاسکتی ہے [2] (احبار ۲۷۔ ۳۰۔ ۳۲) [3] (خروج ۳۰۔ ۱۳۔ ۱۵) [4] سیرۃ النبی ج ۵ ص ۱۴۹-۱۴۸۔

| | |
|---|---|
| تصومونه فقالوا هذا | رکھتے ہو انھوں نے جواب دیا کہ |
| يوم عظيم انجى الله فيه موسىٰ | یہ بہت بڑا دن ہے جس میں اللہ |
| وقومه وغرق فيه فرعون | نے موسیٰ اور ان کی قوم کو فرعون |
| وقومه فصامه موسىٰ شكرا | سے نجات دی اور فرعون اور اسکی |
| فنحن نصومه فقال رسول الله | قوم کو غرق آب کیا تو حضرت موسیٰؑ |
| صلى الله عليه وسلم فنحن | نے شکر کے لیے روزہ رکھا ہم بھی اسی |
| احق واولى بموسى منكم | لیے روزہ رکھتے ہیں، رسول اللہ |
| فصامه رسول الله صلى الله | صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہم تم |
| عليه وسلم وامر بصيامه | زیادہ موسیٰ کے حق دار ہیں اس بنا |
| وقال لاصحابه انتم احق | پر آپ نے خود روزہ رکھا اور روزہ |
| بموسى منهم فصوموا[1] | رکھنے کا حکم بھی دیا اور صحابۂ کرام |
| | سے فرمایا کہ تم لوگ یہود سے زیادہ |
| | موسیٰ کے حق دار ہو اس لیے روزہ رکھو۔ |

ابتدا میں مسلمانوں پر عاشورا کے ہی روزے فرض تھے لیکن جب رمضان کے روزے فرض ہوئے تو عاشورا کے روزے کی فرضیت کا حکم منسوخ ہوگیا، عاشورا کے علاوہ یہود دوسرے ایام میں بھی روزے رکھتے تھے لیکن یہاں تفصیل کی گنجایش نہیں۔

ان کی شریعت حج کے حکم سے بھی خالی نہیں تھی بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھی حج کیا تھا اس کے علاوہ جو احکام و قوانین ان کے یہاں

[1] صحیح البخاری کتاب الصوم۔



رائج تھے ان کی شکل و ہیئت انھوں نے مسخ کر ڈالی تھی تورات میں ان کے علماء و احبار کی آراء داخل ہوگئی تھیں ان کا دعویٰ تو یہ تھا کہ وہ اپنی عبادات و معاملات وغیرہ میں تورات کے احکام کے پابند ہیں لیکن انھوں نے ان کو اپنی خواہشات کے مطابق کر لیا تھا، حدود اللہ کا نفاذ ان کے یہاں صرف پسماندہ طبقہ کے لیے مخصوص تھا، قرآن مجید نے بھی تورات میں تحریف کا مجرم انہیں گردانا ہے، ارشاد ربانی ہے:

| | |
|---|---|
| أَفَتَطْمَعُونَ أَنْ يُؤْمِنُوا | اب کیا تم مسلمان توقع رکھتے ہو کہ |
| لَكُمْ وَقَدْ كَانَ فَرِيقٌ مِنْهُمْ | مانیں تمہاری بات اور ایک لوگ تھے |
| يَسْمَعُونَ كَلَامَ اللَّهِ ثُمَّ | ان میں کہ سنتے کلام اللہ کا اور پھر |
| يُحَرِّفُونَهُ مِنْ بَعْدِ مَا عَقَلُوهُ | اس کو بدل ڈالتے بوجھ کر اور |
| وَهُمْ يَعْلَمُونَ (بقرہ: ۷۵) | ان کو معلوم ہے۔ |

دوسری جگہ ارشاد ہے:

| | |
|---|---|
| يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ عَنْ مَوَاضِعِهِ | بدلتے ہیں کلام کو اپنے ٹھکانے سے |
| وَنَسُوا حَظًّا مِمَّا ذُكِّرُوا بِهِ | اور بھول گئے ایک فائدہ لینا اس |
| (مائدہ: ۱۳) | نصیحت سے جو ان کو کی تھی۔ |

غرض شریعت الٰہی اور تورات میں قطع و برید یہود کے علماء و احبار کا دل پسند مشغلہ ہوگیا تھا۔

**ہجرت کے وقت مدینہ منورہ میں یہود کی تعداد**

ہجرت کے وقت یہود کی کل تعداد کیا تھی اس کا پتہ لگانا مشکل ہے تاہم بعض روایات میں ان کے مشہور اور بڑے قبائل کے افراد کی تعداد مذکور ہے جس کو بیان کیا جاتا ہے۔

بنو قینقاع کے بارے میں عام اتفاق ہے کہ ان کے مقاتلین کی تعداد ۷۰۰[1] تھی۔ ان میں سے تین سو[2] زرہ میں ملبوس تھے، اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ غیر مقاتلین اور عورتوں کو ملا کر یہ تعداد ایک ہزار سے متجاوز رہی ہوگی۔

بنو قریظہ کی تعداد کا تھوڑا بہت اندازہ اس روایت سے ہوتا ہے جس میں ان کی بدعہدی کے نتیجہ میں حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے فیصلہ کے مطابق ان کے بالغ مردوں کے قتل اور عورتوں اور بچوں کی قید کا ذکر ہے۔ اصحاب سیر نے ان کی تعداد ۶۰۰ سے ۹۰۰ تک لکھی ہے[3] لیکن محدثین ان کی تعداد صرف ۴۰۰ بتاتے ہیں۔

علامہ ابن کثیر اور دوسرے مورخین نے اس اختلاف کو بیان کر کے اس میں کوئی تطبیق نہیں دی ہے، دار العلوم ندوۃ العلماء کے شیخ الحدیث اور راقم کے استاذ مولانا ناصر علی صاحب کا خیال ہے کہ جن لوگوں نے کم تعداد بتائی ہے انھوں نے صرف جنگجو جوانوں ہی کو محسوب کیا ہے اور جنھوں نے تعداد زیادہ لکھی ہے انھوں نے مقتولین کو بھی شمار کر لیا ہے اب اگر ۹۰۰ کی تعداد کو مان لیا جائے تو عورتوں کو شامل کرنے کے بعد کل تعداد ۱۸۰۰ کے قریب ہوگی۔

بنو نضیر کی تعداد کے بارے میں کوئی صراحت نہیں ملتی ایک روایت میں

---

۱ تاریخ الامم والملوک للامام الطبری ج ۲ ص ۲۹، السیرۃ النبویۃ لابن کثیر ج ۲ ص ۸ انسان العیون فی سیرۃ الامین والمامون المعروف بالسیرۃ الحلبیہ ج ۲ ص ۸ ۲ ۳ سیرۃ ابن ہشام ج ۱ ص ۲۴۱ والطبقات الکبریٰ لابن سعد ج ۲ ص ۷۵ والکامل لابن اثیر ج ۲ ص ۱۲۷ والدرر لابن عبد البر ص ۱۹۷ والسیرۃ النبویہ لابن کثیر ج ۲ ص ۲۳۹۔



ان کے اونٹوں کی تعداد ۶۰۰ بتائی گئی ہے جیسا کہ علی مقریزی نے لکھا ہے[1] اسی تعداد کا ذکر صاحب سیرۃ حلبیہ اور صاحب مواہب لدنیہ نے بھی کیا ہے[2]۔

دوسری روایت حافظ ابن کثیر نے کی ہے وہ فرماتے ہیں اعطی کل ثلاثة بعیرا یعتقبونه[3]

ان دونوں روایتوں کو سامنے رکھ کر یہ کہا جا سکتا ہے کہ ان کی کل تعداد ۱۸۰۰ کے قریب ہوگی اس لیے کہ چھ سو اونٹ تھے اور ہر تین آدمیوں کو ایک اونٹ دیا گیا تھا۔

اس طرح تینوں قبائل کی کل تعداد کم و بیش ساڑھے تین ہزار کے قریب رہی ہوگی رہے دوسرے قبائل تو ان کے افراد کی تعداد بہت کم تھی ان سب کا تخمینہ ہزار ڈیڑھ ہزار ہوگا ایسی صورت میں مدینہ کے یہود کی کل آبادی ساڑھے چار ہزار رہی ہوگی لیکن یہ سب ظن و تخمین پر مبنی ہے ورنہ اس سلسلہ میں کوئی قطعی اور صریح تاریخی ثبوت موجود نہیں ہے۔

علامہ سمہودیؒ نے یہودی قلعوں کی میزان ۵۹ لکھی ہے[4]۔ واللہ اعلم

**اسلام کے بارے میں یہودی موقف**

قرآن مجید اور احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ یہود ایک نبی کے منتظر تھے اور اس کا تذکرہ وہ اوس و خزرج سے کیا کرتے تھے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

---

۱ امتاع الاسماع ص ۱۸۱ ۲ سیرۃ حلبیہ ج ۲ ص ۵۶۵ والمواہب اللدنیہ ج ۱ ص ۱۳۷ ۳ السیرۃ النبویہ لابن کثیر ج ۲ ص ۲۴۸ ۴ وفاء الوفاء ج ۱ ص ۱۶۵۔

| | |
|---|---|
| وَكَانُوا مِن قَبْلُ يَسْتَفْتِحُونَ | اور پہلے سے فتح مانگتے تھے کافروں |
| عَلَى الَّذِينَ كَفَرُوا فَلَمَّا | پر پھر جب پہونچا ان کو جو پہچان رکھا |
| جَاءَهُم مَّا عَرَفُوا كَفَرُوا | تھا اس سے منکر ہوئے سو لعنت |
| بِهِ فَلَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الْكَافِرِينَ | ہے اللہ کی منکروں پر۔ |

(البقرہ: ۸۹)

مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ اس آیت میں یہود کا تذکرہ ہے[1]۔ عوفیؒ فرماتے ہیں کہ ان کا خیال تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت مشرکین عرب پر ان کے غلبہ کا پیش خیمہ ہوگی[2]۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:

| | |
|---|---|
| وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ | اور مت ملاؤ صحیح میں غلط اور نہ |
| وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَأَنتُمْ تَعْلَمُونَ | کہ چھپاؤ سچ کو جان کر۔ |

(بقرہ: ۴۲)

امام طبریؒ نے اس کی تفسیر میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے یہ روایت نقل کی ہے:

"تم کو میرے رسول اور اس کے ساتھ آنے والی ہدایت کا جو علم ہے اسے نہ چھپاؤ درآنحالیکہ تم کو اپنی کتابوں کے ذریعہ اس نبی کے بارے میں معلوم ہو چکا ہے"۔

امام طبری مجاہدؒ سے نقل کرتے ہیں:

"اہل کتاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کتمان سے کام لیتے تھے حالانکہ وہ

[1] تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۱۸۷ [2] مجتمع المدینہ المنورہ للاعظمی ص ۱۷۹



اپنی کتابوں تورات وانجیل میں ان کو لکھا ہوا پاتے تھے[1]۔"

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں واضح خبر دی جاچکی تھی اور یہود اس کو خوب اچھی طرح سے جانتے تھے اسی لیے اللہ کا ارشاد ہے:

يَعْرِفُونَهُ كَمَا يَعْرِفُونَ أَبْنَاءَهُمْ (بقرہ: ۱۴۶)

عاصم بن قتادہ انصاری اپنی قوم کے لوگوں کے بارے میں بیان کرتے ہیں کہ وہ لوگ کہا کرتے تھے کہ خدا کی رحمت کے بعد جو چیز ہمارے اسلام قبول کرنے کا سبب بنی وہ یہ کہ ہم تو مشرک و بت پرست تھے اور یہود صاحب علم و صاحب کتاب تھے، ہم میں اور ان میں جنگ و جدال ہوا ہی کرتا تھا تو جب بھی ان کو ہم سے کچھ زک اٹھانی پڑتی تو وہ کہتے کہ ایک نبی کا زمانہ قریب آگیا ہے اس کے ساتھ مل کر ہم تم کو عاد و ثمود کی طرح قتل کر دیں گے، یہ بات ہم اکثر ان سے سنا کرتے تھے چنانچہ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی اور آپ نے دعوت اسلام دی تو ہم نے یہ سمجھ کر اس پر لبیک کہا کہ یہ وہی نبی منتظر ہیں جن کا ذکر یہود کیا کرتے تھے اس لیے قبول اسلام میں ہم نے دیر نہیں کی لیکن یہود نے آپ کو جھٹلا دیا[2]۔

یہود اپنے کو اللہ کا مقرب و محبوب گردانتے تھے اس لیے ان کا خیال تھا کہ نبی انہی کے اندر سے مبعوث کیا جائے گا اور یہ فضل و امتیاز انہی کو حاصل ہوگا، قرآن مجید کی اس آیت میں ان کی اسی ذہنیت کی اس طرح عکاسی کی گئی ہے۔

| | |
|---|---|
| وَقَالَتِ الْيَهُودُ وَالنَّصَارَىٰ | اور کہتے ہیں یہود اور نصاریٰ ہم بیٹے |

[1] جامع البیان للامام محمد بن جریر طبری ج ۱ ص ۱۹۷ [2] مجتمع المدینہ المنورہ ص ۳۷۸ بحوالہ سیرت ابن ہشام۔

| | |
|---|---|
| نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ (مائدہ: ۱۸) | ہیں اللہ کے اور اس کے پیارے۔ |

دوسری جگہ ارشاد ہے:

| | |
|---|---|
| اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا | تو نے نہ دیکھے وہ لوگ جن کو ملا ہے |
| مِّنَ الْكِتٰبِ يُدْعَوْنَ اِلٰى كِتٰبِ | کچھ ایک حصہ کتاب کا ان کو بلاتے ہیں |
| اللّٰهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ يَتَوَلّٰى | اللہ کی کتاب پر کہ ان میں حکم کرے پھر |
| فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ وَهُمْ مُّعْرِضُوْنَ | ہٹ رہتے ہیں بعضے ان میں تغافل |
| ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا | کر یہ اس واسطے کہ کہتے ہیں ہم کو ہرگز |
| النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ | نہ لگے گی آگ مگر کئی دن گنتی کے اور |
| وَغَرَّهُمْ فِيْ دِيْنِهِمْ مَّا | بہکے ہیں اپنے دین میں اپنی بنائی باتوں پر |

كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ (آل عمران: ۲۳-۲۴)

ان کی توقع کے برخلاف جب نبی کی بعثت بنی اسماعیل میں ہوئی تو ان کو بہت ناگوار ہوا، وہ سمجھتے تھے کہ یہ ان کی قیادت و سیادت کے خاتمہ کا اعلان ہے اسلیے وہ آپ کی عداوت اور مخالفت پر کمربستہ ہو گئے اور پوری طرح اسلام کی بیخ کنی میں لگ گئے۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہود کے انکار پر بعض انصاریوں نے جب ان پر طعن کرتے ہوئے ان سے کہا کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور اسلام قبول کر لو ہم تو بت پرست تھے اور تم ہی ہمیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی اطلاع دیا کرتے تھے اور ہم سے آپ کے اوصاف بیان کیا کرتے تھے، سلام بن مشکم نے کہا کہ یہ شخص وہ احکام لے کر مبعوث نہیں ہوا ہے جن کو ہم جانتے ہیں اور نہ ہی یہ وہ نبی ہیں جن کا تذکرہ ہم تم سے کیا کرتے تھے اس پر یہ آیات نازل ہوئیں۔



| | |
|---|---|
| فَلَمَّا جَآءَهُمْ كِتٰبٌ مِّنْ | اور جب ان کو پہونچی کتاب اللہ کی طرف |
| عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا | سے سچا بتاتی انکے پاس والی کو اور |
| مَعَهُمْ وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ | پہلے سے فتح مانگتے تھے کافروں پر |
| يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا | پھر جب پہونچا ان کو جو پہچان رکھا |
| فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا | تھا اس سے منکر ہوئے سو لعنت |
| بِهٖ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ | ہے اللہ کی منکروں پر، برے مول |
| بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِهٖ اَنْفُسَهُمْ | خریدا اپنی جان کو کہ منکر ہوئے |
| اَنْ يَّكْفُرُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ | اللہ کے اتارے کلام سے اس ضد |
| بَغْيًا اَنْ يُّنَزِّلَ اللّٰهُ مِنْ | پر کہ اتارے اللہ اپنے فضل سے |
| فَضْلِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ | جس پر چاہے اپنے بندوں میں سو |
| عِبَادِهٖ فَبَآءُوْ بِغَضَبٍ عَلٰى غَضَبٍ | کما لائے غصہ پر غصہ اور منکروں |
| وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ | کو عذاب ہے ذلت کا۔ |

(بقرہ: ۸۹-۹۰)

ان آیات سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ پہلے ہی سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے آگاہ تھے اور آپ کے منتظر بھی تھے لیکن اپنی ہٹ دھرمی کی بنا پر انھوں نے آپ کی تکذیب و انکار کو اپنا شیوہ بنا لیا، جب اسلام نے یہود کی محرف تعلیمات کی نشاندہی کر کے ان کا استیصال کرنا چاہا تو وہ انکار و تکذیب کے علاوہ آپ کے درپے آزار بھی ہو گئے اور دوسروں کو بھی اس کے لیے آمادہ کرتے رہتے تھے، اپنے اسی گھٹیا مقصد کی تکمیل کے لیے انہیں شرک و ثنیت سے ساز باز کرنے میں بھی کوئی عار محسوس

نہ ہوا، ایک مرتبہ ایک یہودی سے مشرکوں نے کہا کہ تم علم والے اہل کتاب ہو یہ بتاؤ کہ ہم بہتر ہیں یا یہ نیا دین لانے والے ؟ تو اس یہودی نے صاف کہہ دیا کہ تم ان سے بہتر ہو۔

یہودی مستشرق ڈاکٹر اسرائیل ولفنسن لکھتے ہیں کہ یہود کی دشمنی کا ایک بڑا سبب یہ تھا کہ اسلام نے یہود کے تحریف شدہ عقائد واحکام پر کاری ضرب لگائی تھی، وہ لکھتے ہیں :

"اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات صرف بت پرستی کی بیخ کنی ہی کیلئے ہوتیں اور یہود کو آپ کی رسالت کے اعتراف کا مکلف نہ بنایا جاتا تو یہود اور مسلمانوں کے درمیان کوئی نزاع نہ ہوتا اور یہود آپ کی تعلیمات کو عزت واحترام کی نظر سے دیکھتے اور جان ومال دونوں سے آپ کی مدد کرتے کہ صنم پرستی کی بیخ کنی ہو جاتی اور بت پرستی کے عقیدہ کا خاتمہ ہو جاتا بشرطیکہ آپ یہود سے اور انکے دین سے کوئی تعرض نہ کرتے اور انہیں اس نئی رسالت کے اعتراف کا مکلف نہ قرار دیتے اسلیے کہ یہودی ذہنیت کسی بھی ایسی چیز کے سامنے جھک نہیں سکتی جو انکو انکے دین سے ہٹا دے انکے لیے تو اسکا تصور بھی مشکل تھا کہ بعثت بنی اسرائیل کے علاوہ کہیں اور ہو"۔

حقیقت یہ ہے کہ احکام الٰہی کی تحریف، انبیاء کی تکذیب اور انکی ایذا رسانی یہود کی عادت ثانیہ بن چکی تھی جسکے نتیجہ میں اللہ کیطرف سے انکے لیے ذلت ونکبت اور مغضوبیت مقدر ہو گئی تھی، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ أَيْنَ مَا ثُقِفُوا إِلَّا بِحَبْلٍ مِنَ اللَّهِ وَحَبْلٍ مِنَ النَّاسِ وَبَاءُوا بِغَضَبٍ مِنَ اللَّهِ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةُ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ كَانُوا يَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ وَيَقْتُلُونَ الْأَنْبِيَاءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ذَٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَكَانُوا يَعْتَدُونَ (آل عمران ۱۱۲)

ماری گئی ہے ان پر ذلت جہاں دیکھے جائیں سوائے دست آویز اللہ کے اور دست آویز لوگوں کے اور کما لائے غصہ اللہ کا اور ماری گئی ہے ان پر محتاجی یہ اس واسطے کہ وہ رہے ہیں منکر اللہ کی آیتوں سے اور مارتے رہے نبیوں کو ناحق یہ اسلیے کہ وہ بے حکم ہیں اور حد سے بڑھتے ہیں۔



# گجرات کے بعض سلاطین، امراء و مشائخ

## سُلطان محمود بن محمد بیگرہ

از جناب مولانا یوسف متالا

سلطان ابو الفتح سیف الدین محمود بن محمد بن احمد بن محمد بن مظفر مشہور بہ محمود بیگرہ[1] کی تاریخ ولادت ۱۰ رمضان ۸۴۹ھ ہے[2]۔ صاحب النور السافر نے سخاوی کے حوالہ سے سن ولادت ۸۴۸ھ لکھا ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ محمود بیگرہ نے داؤد شاہ کی رحلت کے بعد ۸۶۳ھ میں یعنی پندرہ سال کی عمر میں عنان حکومت سنبھالی[3]۔ محمود بیگرہ کے جد امجد مظفر شاہ کے والد سدھارن نندا مقدم نے فیروز شاہ کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا تھا، یہاں محمود بیگرہ کے خاندان کی تاریخ کا مختصر ذکر کر دینا مناسب ہوگا۔

**محمود بیگرہ کے جد امجد مظفر شاہ کے والد** مظفر شاہ کے والد کے مشرف بہ اسلام ہونے کا واقعہ یوں ہے کہ ایک روز سلطان فیروز شاہ شکار کے لیے دہلی سے نکلا۔ اتفاقاً لشکر سے جدا ہو کر تھانیسر کے پاس ایک گاؤں بھوور میں جا پہنچا۔ وہاں نندا مقدم نامی ایک

---

[1] بیگرہ کی وجہ تسمیہ مرآۃ سکندری میں یہ مذکور ہے کہ بے ہندی میں دو کو کہتے ہیں اور گرہ قلعہ کو کہتے ہیں چونکہ محمود نے جوناگڈھ اور چانپانیر کے دو بڑے قلعے فتح کیے تھے اس لیے بیگرہ سے مشہور ہوئے۔

[2] بزم رفتہ کی کہانیاں [3] النور السافر ص ۸۰۔

شخص نے اس کی خاطر تواضع کی۔ فیروز شاہ بہت خوش ہوئے اور ایک رات وہاں گذاری اور نندا مقدم کو مشرف بہ اسلام کرکے وجہ الملک خطاب دیا۔ رفتہ رفتہ ان کا شمار امیروں کے زمرے میں ہونے لگا[1]

مظفر شاہ اور گجرات

فیروز شاہ کے زمانہ میں بہمنی خاندان کی خود مختار سلطنت دکن میں قائم ہوگئی تھی، اس کے انتقال کے بعد اولاد کی ناقابلیت اور خانہ جنگیوں کی وجہ سے اطراف وجوانب میں فتنہ وفساد برپا ہوگیا تھا۔ گجرات کے گورنر نے بھی بغاوت کرلی تھی اس وقت فیروز شاہ کے بیٹے محمد شاہ تغلق کے ہاتھوں میں سلطنت تھی۔ محمد شاہ نے مظفر شاہ کو سنہ ۷۹۳ھ میں گجرات کی حکومت دے کر روانہ کیا۔ مظفر شاہ نے گجرات پہونچکر فتنہ وفساد کو ختم کیا جس سے بہت جلد امن ہوگیا۔ مظفر شاہ نے نہایت ہی حکمت سے قرب وجوار کے راجاؤں کو اپنا گرویدہ بنالیا۔ ادھر دہلی میں محمد شاہ کی سلطنت روز بروز روبزوال ہورہی تھی، بادشاہ ہی کے ایک وزیر اقبال خاں نے سلطنت پر قبضہ کرلیا اور پھر فیروز شاہ کے خاندان سے بادشاہت چلی گئی[2]

اس تباہی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے جونپور اور مالوہ کے حکام خود مختار ہوگئے مظفر شاہ کے لیے بھی اس کا موقع تھا کہ وہ اپنی خود مختاری کا اعلان کرے مگر انھوں نے عرصہ تک اس کی جسارت نہیں کی۔ آخر کار علماء ومشائخ کی استدعا اور اپنے بیٹے سلطان محمد عرف تاتار خاں کے اصرار پر سنہ ۸۱۰ھ میں مظفر شاہ کا لقب اختیار کرکے اپنی خود مختاری کا اعلان کردیا۔ (مظفر شاہ کا اصلی نام ظفر خاں تھا)[3]

سلطان محمد عرف تاتار خاں

سلطان محمد تاتار خاں محمد شاہ تغلق کا وزیر تھا۔ اقبال خاں کے

---

[1] خلاصۃ التواریخ [2] تاریخ گجرات [3] ایضاً۔



غلبہ کے باعث دہلی چھوڑ کر اپنے باپ مظفر شاہ کے پاس گجرات چلا آیا۔ بیٹے نے باپ کو اس بات پر ابھارنے کی کوشش کی کہ اقبال خاں کا مقابلہ کرکے دہلی پر قبضہ کرلیں لیکن مظفر شاہ نے یہ بات نہ مانی اور گوشہ نشینی اختیار کرکے صوبۂ گجرات کی حکومت اپنے بیٹے کے حوالہ کردی۔ حکومت سنبھالنے کے بعد محمد تاتار خاں نے اپنے نام کا سکہ اور خطبہ جاری کروادیا۔ ابھی وہ ماہ ہی گذرے تھے کہ کسی نے اسے زہر دیکر شہید کردیا۔

بیٹے کی رحلت کے بعد مظفر شاہ نے پھر حکومت سنبھالی اور تقریباً چار سال حکومت کرکے سنہ ۸۱۳ھ میں اس دنیا کو خیرباد کہا[1]

احمد شاہ بن محمد تاتار خاں

مظفر شاہ کے انتقال کے بعد ان کے پوتے احمد شاہ تخت نشین ہوئے۔ یہ وہی بادشاہ ہیں جنھوں نے احمد آباد کی بنیاد ڈالی تھی اور اس شہر کو ایسی خوش اسلوبی سے آباد کیا کہ عرصۂ دراز تک ہندوستان کا بے نظیر شہر سمجھا جاتا رہا۔ احمد شاہ نے اپنے عہد میں ہندو راجاؤں کے حملوں سے محفوظ رہنے کے لیے اپنی سرحدوں کو مضبوط کرنے کی طرف توجہ دی۔ ان کی حکمرانی کا سب سے بڑا کارنامہ حکومت کے قوانین وضوابط تھے۔ احمد شاہ نے تقریباً ۳۲ سال حکمرانی کی اور سنہ ۸۴۶ھ میں وفات پائی۔

محمد شاہ ابن احمد شاہ

احمد شاہ کے انتقال کے بعد ان کے بیٹے محمد شاہ جانشین ہوئے۔ یہ عافیت پسند اور فیاض طبیعت تھے۔ فیاضی کی وجہ سے لوگ انہیں زر بخش کہا کرتے تھے، محمد شاہ کے زمانہ میں محمود شاہ خلجی بادشاہ مالوہ نے گجرات پر چڑھائی

---

[1] تاریخ گجرات۔

کی، وزراء نے مدافعت کے لیے انھیں بہت کہا لیکن آمادہ نہیں ہوئے۔ اس سے وزراء نے یہ محسوس کیا کہ وہ بھاگنا چاہتے ہیں اور حکومت خلجی کے ہاتھ میں چلے جانے کا خطرہ ہے لہذا زہر دے کر ان کا کام تمام کر دیا اور ان کے بیٹے قطب الدین کو تخت نشین کر دیا۔ محمد شاہ نے تقریباً نو برس حکمرانی کی اور ۸۵۵ھ میں وفات پائی۔[1]

**قطب الدین احمد شاہ**

محمد شاہ کے انتقال کے بعد ان کے بڑے بیٹے جب برسر اقتدار ہوئے تو اپنا نام احمد شاہ رکھا۔ دلیری اور بہادری میں ممتاز تھے۔ انھوں نے سب سے پہلے محمود خلجی کا مقابلہ کیا اور اس کو پے درپے شکستیں دیں تقریباً آٹھ سال حکمرانی کر کے ۸۶۳ھ میں وفات پائی۔

**محمود شاہ بیگڑہ**

قطب الدین کے انتقال کے بعد ان کے چھوٹے بھائی ابوالفتح سیف الدین محمود شاہ گجراتی المعروف بہ محمود بیگڑہ نے تقریباً ۱۵ سال کی عمر میں حکومت سنبھالی یہی وہ بادشاہ ہیں جن کا ذکر یہاں مقصود ہے۔

محمود شاہ کو خدا تعالیٰ نے نہایت اعلیٰ اوصاف کے ساتھ متصف کیا تھا اور ایسے اخلاق حسنہ سے نوازا تھا کہ جو عام طور پر بادشاہوں میں کم ہی پائے جاتے ہیں۔ اپنی حکمت عملی سے ملک کو سرسبز و شاداب کر دیا۔ احمد آباد کو صنعت و حرفت کا مرکز بنا دیا۔ ان ہی کے عہد حکومت میں سورت بھروچ، ماہم کھمبات وغیرہ تجارت کی گرم بازاری سے بہت آباد اور پُر رونق ہوگئے۔ نہروالہ، بڑودہ، سلطانپور، احمد نگر وغیرہ کی شہرت میں اضافہ ہوا۔ انھوں نے چانپانیر کے قریب محمد آباد،

[1] تاریخ گجرات ۱۱۰ قطب الدین کے انتقال کے بعد داؤد شاہ نے حکومت سنبھالی تھی لیکن سات روز ہی میں ان کا انتقال ہوگیا، لہذا کتابوں میں ان کا ذکر نہیں ملتا۔



جوناگڈھ میں مصطفیٰ آباد اور احمد آباد سے بارہ کوس پر محمود آباد کے نام سے متعدد شہر آباد کیے، مدرسے اور خانقاہیں تعمیر کرائیں، زراعت کو ترقی دی، پھل دار درخت لگوائے، نہریں اور چشمے کھودنے میں رعیت کی امداد کی۔ مہندس، معمار اور صنعت کار دوسرے ملکوں سے امنڈ آئے اور گجرات میں باغ و بہار آگئی۔ جابجا حوض، کنوئیں، باغات، سرسبز و شاداب کھیتیاں، میوہ دار درخت اور قسم قسم کے کپڑے بننے لگے جن کی مانگ بیرونی ملک سے بھی آتی رہتی تھی۔ یہ سب سلطان محمود شاہ بیگڑہ کی توجہ کا ثمرہ تھا۔

ان کے یادگار کارناموں میں سے سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انھوں نے دل کھول کر علم اور اہل علم کی سرپرستی کی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عرب و عجم کے مشاہیر علماء گجرات میں جمع ہوگئے اور گجرات رشک بلاد یمن ہوگیا اور پھر یہاں حدیث کا خوب چرچا ہوا۔

علامہ جلال الدین محمد بن محمد مالکی مصری تشریف لائے تو موصوف کو ملک المحدثین کا خطاب دیا، علامہ مجد الدین محمد بن محمد ایجی تشریف لائے تو انہیں رشید الملک کے خطاب سے نوازا، انھی کے دور میں ابوالقاسم ابن احمد بن محمد شافعی کا ورود ہوا۔

**عادات و خصائل**

سلطان محمود نہایت پاک دامن، خوش اخلاق، کثیر الاحسان والکرم تھے، ان کے اچھے اوصاف کا ذکر صاحب النور السافر اور مولف مرآۃ سکندری نے کیا ہے۔ آصفی نے لکھا ہے کہ محمود بیگڑہ ۹۱۶ھ میں نہروالہ پٹن تشریف لے گئے وہاں کے علماء کی زیارت کی، متوفین کی قبروں پر دعا پڑھی اور تفسیر و حدیث کے لیے ایک مجلس مذاکرہ منعقد کی۔ علماء کے لیے عطایا و وظائف میں اضافہ کیا، اپنے

اسلاف کے قبرستان میں اپنے لیے قبر کھدوائی، کبھی کبھی اس کو دیکھنے کے لیے جاتے۔ ایک روز قبر کا دہانہ کھلوا کر دیکھا اور اس کے کنارے پر بیٹھ کر فرمایا:۔

| | |
|---|---|
| اللھم ان ھذا اول منازل | اے اللہ یہ آخرت کی منزلوں میں |
| الآخرۃ فسھلہ واجعلہ من | سے پہلی منزل ہے سو اس کو آسان |
| ریاض الجنۃ[1] | کر دے اور اسے جنت کی کیاریوں |
| | میں سے بنا دے۔ |

**خوفِ خدا** آخر عمر میں عبادت کی طرف زیادہ متوجہ ہو گئے تھے اور رقت قلب کی وجہ سے برابر روتے رہتے ان کا ایک امیر ملک سارنگ عرف قوام الملک تھا۔ احمد آباد سے باہر سارنگپور اسی کا آباد کیا ہوا ہے۔ اس نے سلطان محمود کو کثرت سے روتے ہوئے دیکھکر دریافت کیا کہ دولت بھی ہے شہنشاہی بھی پھر رونے کی کیا وجہ سلطان نے جواب دیا کہ تمھیں کیا بتاؤں۔ میرے مرشد شاہ عالم قدس سرہٗ نے میرے لیے دعا ضرور کی تھی کہ محمود کی عاقبت محمود ہو لیکن جس قدر سوچتا ہوں تو یہی سمجھ میں آتا ہے کہ عاقبت محمود نہ ہو سکے گی۔ عمر کی نہر بہتی چلی جاتی ہے اور جو بہہ گئی وہ واپس نہیں آتی۔ دل حسرتوں سے بھرا ہوا ہے[2] ایک مرتبہ قبر کا گڑھا چاندی سے پر کر کے خیرات کر دیا۔

**فیاضی** خدا تعالیٰ نے سلطان محمود کو سخاوت کی دولت سے بھی نوازا تھا، روزانہ انکے حکم سے کھانے کے وقت نقارہ بجایا جاتا اور منادی آواز دیتا کہ جس کا جی چاہے دستر خوان پر آکر شریک ہو۔ دستر خوان پر طرح طرح کے کھانے پینے کی چیزیں ہوتیں آخر میں شرکا کو

[1] ظفر الوالہ [2] مرآۃ سکندری۔



پان اور عطریات دیئے جاتے۔

**شیخ سراج الدین کی خدمت میں** سلطان محمود بیگڑہ اپنے روحانی علاج کے لیے اس زمانہ کے ایک بزرگ شیخ سراج الدین کی خدمت میں حاضری دینے لگے۔ شیخ سراج الدین شیخ علی خطیب کے خلیفہ تھے اور وہ شیخ قطب الاقطاب برہان الدین کے خلیفہ تھے۔ شیخ سراج الدین کے سالکوں کی بڑی تعداد تھی جنھیں شیخ نے عین الیقین کے مقام تک پہونچا دیا تھا۔

سلطان محمود کا ایک امیر امین الملک شیخ سراج الدین کا معتقد تھا۔ محمود نے اپنے امیر سے شیخ کے متعلق دریافت کیا چنانچہ اس نے آپ کے مناقب و فضائل بیان کیے جس سے محمود بیگڑہ بہت متاثر ہوئے اور شیخ سے ملاقات کا شوق ہوا چنانچہ ایک رات محمود اپنے امیر کے ہمراہ شیخ سراج الدین کی خدمت میں پہونچے سلام و مصافحہ کیا۔ پھر سلطان نے ان سے عرض کیا کہ اپنی توجہ سے مجھے ظلمات نفسانی سے نکال کر مقام ہدایت تک پہونچا دیں۔ شیخ نے فرمایا کہ اگر واقعی کسی کو اس کی تلاش ہو تو درویش بھی اس کے لیے باب ہدایت کھولنے کی کوشش کرتے ہیں۔ سلطان نے کہا کہ محمود کو واقعی ایک دردمند سمجھیں اور اس کا علاج کریں اور اس کو صحیح راستہ پر لگا دیں شیخ نے فرمایا کہ آپ کے سر پر امارت ہے اور کندھوں پر ذمہ داریاں ہیں، راہ سلوک میں ان تمام چیزوں سے قطع تعلق کرنا ضروری ہے۔

سلطان نے کہا کہ اس راہ کے لیے میں اپنی مسند سلطنت چھوڑ کر آپ کی ملازمت کا احرام باندھنے کے لیے تیار ہوں۔ یہ سن کر شیخ بڑے خوش ہوئے اور فرمایا کہ اگر بادشاہت عدل و انصاف کے ساتھ کی جائے تو اس سے بادشاہ کو کوئی نقصان

نہیں پہونچتا۔ پھر شیخ نے سلطان سے فرمایا کہ آج تو آپ واپس جائیں کل میں جو کچھ کہلا بھیجوں اس کو قبول کریں اور اس میں چوں وچرا نہ کریں۔ محمود نے دوسرے دن امین الملک کو شیخ کی خدمت میں یہ کہہ کر بھیجا کہ وہ جو کچھ کہیں اس کو واپس آکر بے کم وکاست دہرانا۔ امین الملک شیخ کی خدمت میں پہونچا تو انھوں نے فرمایا کہ سلطان کو میں نے ایک اچھا مرد اور فقیر دوست پایا۔ میرا دل سلطان کی صحبت چاہتا ہے میری خواہش ہے کہ میں سلطان کے یہاں نوکری کروں۔ میری اس خواہش کو سلطان تک پہنچادو اگر سلطان منظور کرلیں تو مجھے کسی خدمت پر مامور کردیں امین الملک ان کے یہاں سے چلا تو وہ پریشان تھا کہ میں نے سلطان کے سامنے شیخ کی بہت تعریف کی تھی اور اب یہ پیام پہونچاؤں گا تو معلوم نہیں سلطان کیا سوچیں گے لیکن شیخ کا حکم تھا اس لیے اس نے ساری بات بیان کردی۔ سلطان نے سن کر کہا کہ مجھے منظور ہے لیکن شیخ سے دریافت کرو کہ وہ کون سا عہدہ قبول کریں گے۔ شیخ نے جواب میں فرمایا کہ میں فن حساب میں ماہر ہوں لہذا مجھے استیفائے ملک کے منصب پر مقرر کردیں۔ سلطان نے منظور کرلیا دوسرے روز شیخ نے اپنی کمر میں تلوار باندھی اور گھوڑے پر سوار ہوکر سلطان کے یہاں پہونچے اور مستوفی کی خلعت پہنی۔ پھر اپنے گھر واپس آئے شہر کے لوگ شیخ کو قطب اور غوث سمجھتے تھے لیکن ان کی اس ملازمت سے ان سے بدظن ہوگئے اور شیخ کو متہم سمجھنے لگے کہ انھوں نے اپنے زہد کو مال اور دنیا کی خاطر بیچ ڈالا اور ان کی ساری ریاضت سلطان کو اپنا معتقد بنانے ہی کے لیے تھی۔

شیخ اس طعنہ کے باوجود روزانہ سلطان کے پاس تشریف لاتے۔ کچھ دنوں



کے بعد امین الملک سے شیخ نے کہا کہ سلطان سے کہو کہ میں بوڑھا آدمی ہوں آنے جانے میں مجھے تکلیف ہوتی ہے۔ اگر اپنے محل کے پاس مجھ کو جگہ دے دیں تو ہر وقت سلطان کے پاس حاضر رہوں۔ سلطان نے اپنے پاس ہی ان کو رہنے کی جگہ دے دی چنانچہ انھوں نے وہاں قیام کرلیا اور لوگوں سے چھپ کر سلطان کی تربیت میں مشغول ہوگئے اور چند ہی دنوں میں سلطان فیضیاب ہوگئے اور ان کے دل کا غنچہ کھل گیا۔ اس کے بعد شیخ نے فرمایا اب مجھے جانے کی اجازت دی جائے چنانچہ آپ واپس اپنے مستقر پر لوٹ آئے اور سلطان سے کہا کہ اب مجھ سے ملاقات نہ کرنا۔ کوئی ضرورت ہو تو لکھ کر پیغام بھیجدیا۔[1]

**حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت**

ایک رات سلطان محمود نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خواب میں زیارت کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں دو طبق مرحمت فرمائے۔ اس کی تعبیر یہ قرار پائی کہ سلطان کو دو بڑی نعمتیں حاصل ہوں گی۔ چنانچہ اس کے بعد سلطان نے دون اور کرنال کو فتح کرلیا۔[2]

**حفظ قرآن مجید کی قدردانی**

سلطان محمود ایک مرتبہ شب قدر میں علما و صلحا کی صحبت میں بیٹھے ہوئے تھے علماء کے درمیان باہم فکر آخرت پر گفتگو ہو رہی تھی ایک عالم دین نے بیان کیا کہ قیامت کے دن آسمان سے آفتاب نیچے آئے گا۔ گنہگاروں کے سروں پر آفتاب سوا نیزے کے برابر ہوگا اور اس کی تپش سے وہ جل رہے ہوں گے اگر ان میں کوئی حافظ قرآن ہوگا تو اس کے اسلاف کی سات پشتیں رحمت کے سایہ میں ہوں گی اور آفتاب کی گرمی کا اثر ان پر نہ ہوگا۔ یہ سن کر سلطان محمود کی

[1] مرأۃ سکندری ص ۱۰۵ [2] بزم رفتہ کی سچی کہانیاں۔

زبان سے ایک آہ نکلی۔ پھر کہا کہ میرے لڑکوں میں سے کسی کو یہ سعادت حاصل نہیں ہے۔
تاکہ میں بھی اس رحمت کا امیدوار ہوتا۔

سلطان کے صاحبزادے خلیل خاں اس مجلس میں موجود تھے جو آگے چل کر سلطان مظفر
کے لقب سے تخت نشین ہوئے اس نے باپ کی بات سن لی کچھ دنوں کے بعد اسکو بڑودہ کی
جاگیر دی گئی اور وہ یہاں چلے آئے، بڑودہ آکر قرآن پاک کی تلاوت اور اس کے حفظ
کرنے کے علاوہ کسی اور کام میں مشغول نہ ہوئے۔ اسی محنت اور اہتمام سے انھوں نے
ایک سال میں تمام کلام مجید حفظ کر لیا۔ رمضان المبارک میں باپ کی خدمت میں حاضر
ہوئے اور عرض کیا کہ حکم ہو تو تراویح میں قرآن سناؤں۔ سلطان محمود یہ سن کر بے حد
مسرور ہوئے بیٹے کو گلے سے لگایا اور بوسہ دیا۔

بیٹے نے رمضان المبارک میں کئی بار کلام پاک تراویح میں سنایا۔ سلطان نے کہا کہ
اپنے بیٹے کا شکریہ کس طرح ادا کروں کہ اس نے اپنے اسلاف کو قیامت کے دن
آفتاب کی گرمی سے نجات دلائی۔ اس کا بدلہ صرف یہی ہے کہ میرے ہاتھ میں بادشاہت
ہے اس کو دے دوں۔ سلطان نے اپنے بیٹے کے قرآن پاک حفظ کرنے کی خوشی میں
ایک دعوتِ عام کی جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ایسی دعوت کبھی نہیں ہوئی[1]

**علماء و مشائخ سے محبت** — سلطان محمود کو علماء کرام و مشائخ عظام سے بڑی محبت و عقیدت
تھی۔ اپنی وفات سے قبل نہروالہ گئے۔ وہاں کے تمام علماء و صلحا سے ملاقات کی
ان کو انعام و اکرام سے نوازا۔ جب رخصت ہونے لگے تو کہا اب اجل مہلت نہ
دے گی کہ آپ لوگوں سے پھر مل سکوں۔ نہروالہ سے پٹن مشائخ کے مزاروں کے

[1] مراۃ سکندری۔



لیے حاضر ہوئے۔ پھر احمد آباد آکر شیخ احمد کھٹو کے مزار پر حاضری دی[1]

آصفی نے لکھا ہے کہ ۹۱۷ھ میں سلطان محمود صاحب فراش ہو گئے تھے۔
اپنے صاحبزادہ مظفر کو وصیت نامہ حوالہ کیا جو بڑودہ سے آئے ہوئے تھے۔
جب سلطان کو افاقہ ہوا تو صاحبزادہ واپس بڑودہ لوٹ گئے سلطان پھر بیمار
پڑ گئے اور اپنے بیٹے مظفر کو طلب کیا مگر اس کے آنے سے ایک گھنٹہ قبل سلطان
نے اس دنیائے فانی سے رحلت فرمائی۔ رحلت بوقت عصر ۲ ماہ رمضان ۹۱۷ھ
بعمر ۶۷ سال ہوئی۔ مدت بادشاہت ۵۵ برس ہے۔ حضرمی نے سن وفات
۹۱۶ھ لکھا ہے۔

## سلطان مظفر حلیم ابن محمود بیگرہ

نام سلطان مظفر بن محمود بن احمد بن محمد کنیت ابو نصر اور لقب شمس الدین تھا۔
ولادت ۲۰ شوال ۸۷۵ھ کو گجرات میں ہوئی۔ بادشاہت کے جھولے میں پروان چڑھے
والد کی نگرانی میں علم دین حاصل کرتے رہے۔ ان کے اساتذہ میں علامہ مجد الدین ایجی
اور محدث جمال الدین بحرق حضرمی قابل ذکر ہیں۔

اپنے والد سلطان محمود بیگرہ کی رحلت کے بعد ۳ ماہ رمضان ۹۱۷ھ میں
حکومت کی باگ ہاتھ میں لی اور نہایت عدل و انصاف، سخاوت و شجاعت سے حکمرانی
کا آغاز کیا۔ صلاح و فلاح اور ورع و تقویٰ میں والد ماجد محمود بیگرہ کے بالکل
نقش قدم پر تھے۔

**اوصاف و کمالات** — سلطان نہایت نرم دل اور رعیت سے حسن سلوک کرنے والے

[1] بزم رفتہ کی سچی کہانیاں۔

تھے۔ اسی وجہ سے حلیم سے یاد کیے جاتے تھے۔ علوم دین سے اچھی طرح واقف تھے
نہایت سلیم الطبع اور حاضر جواب تھے۔ فنون حرب میں خصوصاً تیراندازی، نیزہ بازی،
شمشیر زنی، گھڑ سواری میں مہارت تامہ حاصل تھی، خطاطی میں بھی یدطولیٰ حاصل
تھا، اپنے ہاتھ سے قرآن مجید لکھ کر حرمین شریفین بھجواتے۔ جوانی ہی میں قرآن مجید
حفظ کر لیا تھا۔ اتباع رسولؐ کا خاص اہتمام تھا۔ جب موت یاد آتی تو زار و قطار روتے۔
علمائے کرام سے بڑی عقیدت تھی۔ اکابر و مشائخ سے محبت کا اظہار کرتے۔

شریعت کی سختی سے پابندی کرتے۔ ہمیشہ باوضو رہتے۔ باجماعت نماز ادا
کرتے۔ کبھی کسی کی اہانت نہ کرتے۔ اسراف سے بچتے لیکن سخاوت کا دامن نہ چھوڑتے
تمام رعیت کے احوال کی خبر رکھتے۔ بعض اوقات لباس بدل کر رات میں اپنے محل
سے نکلتے اور رعایا کے حالات معلوم کرتے۔

**فکر آخرت** | ایک روز سلطان مظفر قرآن مجید کی تلاوت کر رہے تھے۔ قیامت کی
آیتوں کو پڑھ کر رونے لگے۔ ان کے ایک خادم نے عرض کیا بادشاہ سلامت میرے
علم میں آپ سے کوئی گناہ کبیرہ سرزد نہیں ہوا بلکہ اکثر آپ کو عبادت میں مشغول
پایا ہے لہٰذا مغفرت کی بڑی امید ہے یہ سن کر سلطان نے اس خادم سے کہا کہ
میری گردن پر بار گراں ہے اس لیے روتا ہوں۔ تم نے سنا نہیں کہ نجا المخففون
وھلک المثقلون (ہلکے بوجھ والے نجات پا جائیں گے اور گراں بار ہلاک
ہوں گے)[1]

**شراب سے نفرت** | سلطان مظفر نے شہزادگی اور بادشاہت کے زمانہ میں کوئی

[1] مرآۃ سکندری۔



نشہ آور چیز استعمال نہیں کی۔ ایک روز ایک درباری امیر قوام الملک نے پوچھا کہ
آپ نے کبھی مسکرات کا استعمال کیا ہے۔ جواب دیا جب پانچ سال کا تھا تو ایک دن
بالاخانہ سے اتر رہا تھا کہ زینہ پر پاؤں پھسلا اور زمین پہ آگرا۔ شدید چوٹ آئی۔
اس وقت میری دادی میری پرورش کر رہی تھیں۔ انھوں نے بطور علاج مجھے
شراب پلادی۔ میں نے اسی وقت قے کر دی اور طبیعت خراب ہوگئی۔ اس کے
بعد میری دادی نے خواب دیکھا کہ کوئی ان سے کہہ رہا ہے کہ تم نے شہزادے
خلیل خاں کو شراب پلادی؟ انھوں نے کہا ہاں۔ اس شخص نے کہا توبہ کرو،
آئندہ ایسی حرکت نہ کرنا۔ بیداری پر دادی نے استغفار کیا اور پھر میری
طبیعت ٹھیک ہوگئی، اس کے بعد اللہ نے اپنے فضل و کرم سے مجھ کو شراب کی
آلودگی سے محفوظ رکھا۔[1]

بعد میں سلطان کو شراب سے اس درجہ نفرت ہوگئی کہ سلطان کے پاس
ایک گھوڑا تھا۔ اپنی چال اور خوش رفتاری میں منفرد تھا، سلطان کو سواری
کے لیے وہ گھوڑا بہت پسند تھا۔ ایک دن اس گھوڑے کے پیٹ میں درد ہوا۔
ہر طرح کی دوا کی گئی لیکن کوئی اثر نہ ہوا۔ ایک حاذق طبیب نے بتایا کہ اگر خالص
شراب پلائی جائے تو اس سے فائدہ ہوگا چنانچہ اس کو شراب پلائی گئی اور اسکا
درد جاتا رہا۔ سلطان کو جب اس کی اطلاع ہوئی تو بڑے افسوس کا اظہار کیا
اور اس گھوڑے کی سواری ترک کر دی۔[2]

**شریعت کا لحاظ** | سلطان مظفر نے جب مانڈو فتح کیا تو وہاں سلطان محمود نے بڑی

[1] مرآۃ سکندری [2] ایضاً۔

عظیم الشان دعوت کی تھی اس دعوت میں بعض چیزیں شریعت کے خلاف ہوئیں۔ مظفر شاہ کے متنبہ کرنے پر فوراً اصلاح کی گئی[1]

**اجابت دعار** ایک مرتبہ سلطان مظفر حلیم دعائے استسقاء کے لیے نکلے۔ فقراء اور مساکین میں خوب خیرات کی اور ان سے بارش کے لیے درخواست کی خود مصلی پر آکر نماز پڑھائی۔ بعد میں دعا کرائی جس کا آخری حصہ یہ تھا:

| | |
|---|---|
| اللھم انی عبدك ولا | یا اللہ میں تیرا بندہ ہوں، میں |
| املك لنفسی شیئاً فان | کسی چیز کا بھی مالک نہیں۔ اگر میرے |
| تك ذنوبی حبست المطر | گناہ بارش کو روک رہے ہیں تو |
| عن خلقك فھا انا جبھتی | اے پروردگار یہ میری پیشانی |
| بیدك فاغثنا یا ارحم | تیرے قبضہ میں ہے۔ اے ارحم الراحمین |
| الراحمین۔ | ہماری فریادرسی فرما۔ |

انہی کلمات دعائیہ کے ساتھ ہی اپنی پیشانی زمین پر رکھ دیا اور بار بار ارحم الراحمین پکارنا شروع کیا! ابھی سر نہیں اٹھایا تھا کہ بارانی ہوائیں چلنے لگیں۔ بجلی کوندی بادل گرجا اور بارش شروع ہوگئی۔

**علالت** نماز استسقاء کے کچھ عرصہ بعد مظفر شاہ کی طبیعت خراب ہوگئی بدن کمزور ہوگیا، اسی علالت کے دوران ایک مجلس قائم کی جس میں سربرآوردہ افراد کے ساتھ علماء و مشائخ کو بھی دعوت دی گئی۔ ان علمائے کرام سے درخواست کی گئی کہ وہ آخرت کے موضوع پر گفتگو کریں۔ اسی درمیان میں اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اسکے

[1] مرأۃ سکندری۔



احسان کی بات ہونے لگی۔ مظفر شاہ نے اپنے اوپر اللہ تبارک و تعالیٰ کی نعمتوں کا ذکر بطور تحدیث بالنعمۃ کیا اس کے بعد فرمایا کہ میرے استاد شیخ مجدالدین نے اپنے مشائخ سے جو احادیث بیان کی تھیں وہ مجھے محفوظ ہیں اور میں ان روایات کے راویوں کی نسبت اور ثقاہت کے ساتھ ان کے حالات و سوانح اول تا آخر جانتا ہوں اسی طرح آیات قرآنی کا معاملہ ہے جن کے حفظ، تفسیر، شان نزول اور علم قرأت کی دولت سے نوازا گیا ہوں۔ علم فقہ بھی مجھے مستحضر ہے، اللہ کے فضل سے چھ ماہ صوفیاء کے اشغال کیے ہیں جس سے مقصود تزکیۂ نفس تھا۔ میں نے تفسیر معالم التنزیل کا مطالعہ شروع کیا تھا امید تھی کہ پوری کتاب بالاستیعاب پڑھ لوں گا مگر اب صورت یہ ہے کہ اس تفسیر کو جنت ہی میں جاکر پورا کرسکوں گا۔

اے صاحبو! اپنی دعاؤں میں مجھے یاد رکھنا۔ اب میرے اعضا کمزور ہوچکے ہیں جن کی دوا صرف اللہ سبحانہ کی رحمت ہے اس کے بعد حاضرین مجلس نے سلطان کی درازی عمر کے لیے دعار کی۔ ۹۳۲ھ میں سلطان مظفر چانپانیر سے نکلے۔ اپنا سب گرد و پیش بدل ڈالا، خیرات میں کثرت کردی۔ احمد آباد پہونچنے کے بعد مقدس مزاروں پر بار بار جانے لگے۔

**یوم رحلت** جمعہ کا دن تھا۔ سلطان مظفر اپنے دربار سے محل میں گئے اور دن ڈھلنے کے وقت ایک ہی پہلو پر آرام کرتے رہے۔ پانی طلب کیا اور وضو کرکے دو رکعت نماز ادا کی۔ پھر زنان خانے میں گئے جو آہ و بکا کر رہے تھے۔ سلطان نے انہیں صبر کی تلقین کی۔ پھر راجہ محمد حسین اشجع الملک سے ملاقات کی اور ان سے سورہ یٰسین پڑھنے کی درخواست کی۔ پھر ان سے معلوم ہوا کہ اذان جمعہ کا وقت ہے۔ سلطان کی

عادت نماز جمعہ کے لیے قبل از وقت مسجد میں جانے کی تھی مگر آج انھوں نے کہا کہ میں نماز ظہر پڑھوں گا اور عصر کی نماز جنت میں ادا کروں گا انشاءاللہ۔ اسکے بعد شرکائے مجلس کو نماز کے لیے جانے کی اجازت دی اور اپنے لیے مصلیٰ طلب کیا اور نماز کی نیت باندھ لی۔ ان کی آخری دعا یہ تھی۔ رَبِّ قَدْ اٰتَیْتَنِیْ مِنَ الْمُلْکِ وَعَلَّمْتَنِیْ مِنْ تَاْوِیْلِ الْاَحَادِیْثِ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَنْتَ وَلِیّٖ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ تَوَفَّنِیْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ (یوسف: ۱۰۱)
اس کے بعد اپنے بستر پر لیٹ گئے، چہرہ قبلہ رخ تھا زبان پر لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ جاری تھا آنکھوں سے آنسو ٹپک رہے تھے۔

وفات | سلطان مظفر کی وفات ۱۲ رجمادی الاولیٰ ۹۳۲ھ کو ہوئی سرکھیج میں مدفون ہیں۔

(باقی)

---

## دو ضروری تصحیح

۱۔ معارف اپریل ۹۲ء میں کرنل بشیر حسین زیدی صاحب کے متعلق ص۲۱۷ پر غلطی سے دارالمصنفین کا رکن چھپ گیا ہے، وہ دارالمصنفین کے بہت معزز رکن تھے۔

۲۔ مئی ۹۲ء میں تاریخ شعرائے روہیل کھنڈ ملنے کا پتہ درج ہونے سے رہ گیا ہے، پتہ حسب ذیل ہے،

فرحان پبلیکشنز، کراچی، پاکستان۔

---



# تاج محل کی تعمیر اور مرزا راجہ جے سنگھ کے نام

## شاہجہاں کا فرمان

از حکیم سید محمد احمد ٹونک

"جے پور" میں مہاراجگان کے یہاں پشت ہا پشت اور نسل در نسل سے جو شاہی فرامین محفوظ چلے آرہے تھے وہ بزمانہ قدیم "شہر آمیر" میں دو مقامات پر محفوظ تھے ان میں سے ایک ریکارڈ تو "آمیر" کے ایک محافظ خانہ میں رکھا ہوا تھا اور دوسرا ریکارڈ مہاراجہ کے کپڑ دوارے (توشک خانہ) میں محفوظ تھا۔ موجودہ مہاراجہ کے والد" مہاراجہ مان سنگھ دوئم" (۱۹۲۲ء تا ۱۹۷۰ء) کو اسے دیکھنے، ترتیب دینے اور قابل استفادہ بنانے کا خیال پیدا ہوا۔ اس غرض سے ۱۹۳۰ء و ۱۹۳۹ء کے درمیانی عرصہ میں یہ کام مشہور و معروف تاریخ نگار" سر جادو ناتھ سرکار" کے سپرد ہوا۔ چنانچہ جب ریکارڈ نکال کر دیکھا گیا تو اس کا بہت سا حصہ شکستہ، بوسیدہ اور آب رسیدہ ہو گیا تھا۔ صفائی اور درستی کے بعد اسے وہاں سے منتقل کرکے دفتر" دیوان حضوری واقع سٹی پیلس[1] جے پور" میں رکھا گیا۔ اس

---

[1] سٹی پیلس: شہر جے پور میں ایک بہت خوبصورت عمارت کا نام ہے جس میں مہاراجہ کے محلات اور دفاتر واقع ہیں۔ اس میں اس کی سکونت بھی ہے اور اس میں (بقیہ ص۴۴۲ پر)

ریکارڈ میں شاہی فرامین، نشان، خریطے، طومار، اخبارات معلی اور وکیل رپورٹس تھیں جن کی حیثیت اہم تاریخی دستاویزی مواد کی تھی۔

بادشاہ سے متعلق خبروں کو اخبارات معلی کہا جاتا ہے۔ ان کی کاپی ایک دوسرے سے لمبائی میں جڑی ہوئی ہوتی تھی جس سے ایک بہت لمبی لڑی بن جاتی تھی جسے ٹین کے نلوے میں لپٹ کر رکھا جاتا تھا اور ان میں جڑے ہوئے پرچوں کو "طومار" کہا جاتا تھا۔ چونکہ آمیر کا وکیل شاہی دربار میں مستقل طور سے حاضر باش رہا کرتا تھا اور اس کے ذمہ یہ خدمت بھی ہوتی تھی کہ وہ بادشاہ۔ دربار۔ قلعہ اور شاہی محل سے متعلق ہر ہر بات کو نوٹ کر کے فوراً بھیجتا رہے۔

راجستھان بننے کے بعد چونکہ مہاراجہ مان سنگھ دوئم "مہاراج پرمکھ" بنائے گئے تھے اور ان کا یہ آمیر والا ریکارڈ ان ہی کی بلڈنگ یعنی دفتر "دیوان حضوری سٹی پیلس جے پور" میں رکھا ہوا تھا اس لیے مہاراج صاحب نے اس ریکارڈ کو راجستھان گورنمنٹ کے سپرد کر دیا۔ (غالباً ان کا خیال تھا کہ وہ تاحیات "راج پرمکھ" رہیں گے اور یہ ریکارڈ بھی ان ہی کی بلڈنگ میں ہمیشہ ان کے زیر نگرانی رہے گا) لیکن غالباً ۱۹۶۰ء کے بعد جب مسٹر سکھاڈیہ چیف منسٹر تھے دفتر "دیوان حضوری واقع سٹی پیلس جے پور" والے اس ریکارڈ کو آرکائیوز بیکانیر منتقل کر دیا گیا اور وہاں سے اس جے پور والے ریکارڈ کی کچھ لسٹ اور کیٹلاگ شایع بھی ہو چکے ہیں

(بقیہ ص ۴۴۱) پوتھی خانہ، سوائی مان سنگھ میوزیم اور دوسرے دفاتر بھی واقع ہیں۔ اور اس کے قریب ہی سوائی جے سنگھ کا بنایا ہوا "جنتر منتر" بھی ہے۔ یہ عمارت مہا محل کے عقب میں آتش مارکیٹ و جلیبی چوک کے درمیان واقع ہے۔



اور جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا کہ "مہاراجہ مان سنگھ دوم" کے حکم سے جو کام سر جادو ناتھ سرکار نے کیا تھا اس کی پہلی جلد "ہسٹری آف جے پور اسٹیٹ" کے نام سے ۱۹۸۴ء میں باہتمام "مہاراجہ مان سنگھ دوئم میوزیم جے پور"[1] (Orient Longman New Delhi) سے شایع ہو چکی ہے۔

دوسرا ریکارڈ جو مہاراجہ کے نجی ذخیرہ کی صورت میں توشک خانہ واقع سٹی پیلس جے پور میں محفوظ ہے اس میں بھی شاہی فرامین، خریطے، پروانے وغیرہ ہیں اور جس طرح موجودہ مہاراجہ صاحب کے والد کی توجہ سے آمیر والے ریکارڈ پر سر جادو ناتھ سرکار نے کام کیا اسی طرح ان کے فرزند اور موجودہ "مہاراجہ بھوانی سنگھ" نے بھی اپنے کپڑ دوار[2] کے اہم ذخیرہ کی طبع و اشاعت کے خیال سے راقم الحروف کو تین سال تک اس ریکارڈ پر کام کرنے کا موقع دیا چنانچہ میں نے شروع سے آخر تک سارے ریکارڈ دیکھے اور اس کا ترجمہ بھی کیا حال ہی میں ڈاکٹر چندر منی سنگھ[3] جی صاحبہ اور جناب گوپال[4] نرائن بوہرہ جی کی محنت سے یہ سب کام کتابی شکل میں "کیٹلاگ آف

[1] "مہاراجہ مان سنگھ دوئم میوزیم جے پور" سٹی پیلس جے پور میں واقع میوزیم ہے جس میں نمائش کے لیے اسلحہ جات اور دیگر عجیب و نفیس چیزیں رکھی ہیں اور اسی میں لائبریری اور اس سے متعلق دفاتر واقع ہیں اور پوتھی خانہ بھی اسی سے متعلق ہے۔ [3] موصوفہ نے بنارس ہندو یونیورسٹی سے ایم۔ اے کرنے کے بعد وہیں سے پی۔ ایچ ڈی کی ڈگری لی اور امریکہ جاکر میوزیم کی تربیت حاصل کی مہاراجہ مان سنگھ دوئم جے پور میں یہ اولاً رجسٹرار کے عہدہ پر مامور رہیں بعد میں مہاراجہ بھوانی سنگھ نے ان کو جے گڑھ کا ڈائریکٹر بنا دیا اور اب "جواہر کلا کیندر جے پور" میں ڈائریکٹر ہیں یہ بڑی علم دوست اور تاریخ و انگریزی زبان کی ماہر اور راجپوتی خاندان کی چشم و چراغ ہیں۔ [4] انکے بزرگوں کا (بقیہ ص ۴۴۴ پر)

ہسٹوریکل ڈاکومینٹس ان کپڑ دوارجے پور" کے نام سے انگریزی زبان میں باہتمام (Jai
-garh Public charitable Trust Jaipur. Jaipur
Printers Private L.T.D. Jaipur) پریس سے شایع ہو چکا ہے۔

مہاراجگان جے پور سلطنت مغلیہ کے زمانہ میں تمام بڑے شہروں میں اپنی علیحدہ آبادیاں قائم کر رکھی تھیں جن میں باغات۔ رہائشی مکانات اور زمینیں تھیں یہ سب جائداد عطیہ شاہی اور ان میں سے بعض خریدی ہوئی تھیں اور پورہ جات کے نام سے موسوم تھیں جو شہر کابل۔ پشاور۔ لاہور، اجین، اورنگ آباد، برہان پور، ایلچ پور، اسلام آباد (متھرا) بنارس، بیکنٹھ پورا بہار، جہانگیر پور (ڈھاکہ) الٰہ آباد، پورہ و باغ راحت بخش واقع دارالسلطنت شاہجہاں آباد، دہلی اور اکبر آباد آگرہ وغیرہ میں واقع تھے۔ ان پورہ جات سے متعلق شہر کابل، پشاور، لاہور، بنارس، پورہ و باغ راحت بخش واقع دارالسلطنت شاہجہاں آباد دہلی اور اکبر آباد وغیرہ کے شاہان وقت کے دیے ہوئے پروانہ جات آج بھی جے پور کے اسی ریکارڈ میں موجود ہیں۔

ریکارڈ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان پورہ جات کی کثرت" اورنگزیب (سنہ ۱۶۵۸ء سے ۱۷۰۷ء) کے بعد ہوئی ہوگی۔ مان سنگھ (سنہ ۱۵۸۹ء سنہ ۱۶۱۴ء) "اکبر" اور "جہانگیر کے

(بقیہ ص ۴۴۳) راج گھرانے سے تعلق رہا، اور یہ انگریزی سنسکرت اور تاریخ کے بڑے عالم ہیں جو اب ریٹائر ہو گئے ہیں لے یہ آمیر کا راجہ اور بھگونت داس کچھواہا راجہ آمیر کا بیٹا تھا۔ اکبر نے اسے فرزند کا خطاب دیا تھا اور یہ اس کے نو رتنوں میں تھا، مان سنگھ ہندوستان کی جنگی تاریخ میں بڑا نامور اور مشہور اور عہد اکبری میں ممتاز سردار اور (بقیہ ص ۴۴۵ پر)



اور جے سنگھ عرف مرزا راجہ (سنہ ۱۶۲۱ء تا سنہ ۱۶۶۷ء) شاہجہاں کے دور کے بڑے طاقت ور راجہ ضرور تھے لیکن ان کو اپنی ریاست اور اس کی ترقی کی طرف زیادہ توجہ دینے کی فرصت نہیں ملتی تھی۔

اورنگ زیب کے زمانہ میں" مہاراجہ سوائی جے سنگھ" بھی اگرچہ شاہی خدمات

(بقیہ ص ۴۴۴) دلیر سپہ سالار ہوا ہے اس نے اکبر کی سلطنت کو بہت بڑھایا، مشرق سے مغرب تک اور شمال سے جنوب تک اس کونے سے اس کونے تک پورا ہندوستان بلکہ افغانستان اس کی جولانگاہ تھا۔ کابل اور بنگال کا صوبیدار رہا ہے اس کا منصب ہفت ہزاری تھا۔ سنہ ۹ جلوس جہانگیری مطابق سنہ ۱۰۲۳ھ میں بمقام بہار فوت ہوا لے یہ ہفت ہزاری منصب رکھتا تھا۔ ترکی عربی اور فارسی زبانوں سے واقفیت کے علاوہ سنسکرت میں مہارت رکھتا تھا اور اسی نے شیواجی کو قابو میں کیا تھا اس کا بیٹا رام سنگھ ہوا ہے، سنہ ۱۰۷۷ھ میں" برہانپور" میں فوت ہوا۔ اورنگ آباد میں اس کا آباد کیا ہوا جے سنگھ پورہ تھا اور اکبر آباد آگرہ میں اس نے تعمیرات کرائیں یہ جگہ جے سنگھ پورہ کہلاتی ہے اسی نے وہاں ایک عمدہ باغ تیار کرایا تھا یہ راجہ شاہجہانی دور میں تھا اور عالمگیر کے زمانہ میں بھی اس نے کارہائے نمایاں انجام دیے ہیں سنہ ۱۶۶۴ء میں عالمگیر نے صوبہ جات دکن کی صوبیداری عطا کی تھی، اس کے باپ کا نام کشن سنگھ (ولد راجہ بشن سنگھ ولد راجہ رام سنگھ ولد مرزا راجہ جے سنگھ) مہاراجہ سوائی جے سنگھ سلطنت مغلیہ کے آخری دور میں مشہور ارکان سلطنت میں تھا اورنگ زیب کے زمانہ سے لے کر محمد شاہ بادشاہ تک کے دور میں زندہ رہا۔ یہ علم دوست تھا۔ تمام ہندوستان کے عالم فاضل اور پنڈت اس کے علمی دربار میں موجود تھے اس نے شرح چغمنی وغیرہ کتب ہندسہ کا عربی زبان سے ہندی بھاشا میں ترجمہ کرایا اور محمد شاہ بادشاہ (بقیہ ص ۴۴۶ پر)

اور توسیع سلطنت میں مصروف رہا اور اس کے ذریعہ "اورنگ زیب" کے زمانہ میں بہت
اہم امور و معاملات انجام پائے لیکن اس نے طویل عمر پائی اور اورنگ زیب کے بعد
"بہادر شاہ" (سنہ ۱۷۰۷ء سنہ ۱۷۱۲ء) فرخ سیر (سنہ ۱۷۱۳ء سنہ ۱۷۱۹ء) اور محمد شاہ بادشاہ
(سنہ ۱۷۱۹ء سنہ ۱۷۴۸ء) وغیرہ کے زمانے میں بھی اس کی اہم خدمات کا سلسلہ جاری رہا
اس نے شاہی خدمات کے علاوہ بہت سے علمی[1] فنی[2] تعمیری اور اصلاحی[3] کام بھی انجام
دیے۔ یہ راجہ بہت سوجھ بوجھ کا مالک اور بڑا مدبر و منتظم تھا اس نے اپنی ریاست
کو بڑی وسعت دی اس نے محمد شاہ بادشاہ کے زمانہ میں اس کی اجازت سے
"شہر آمیر" کے قریب ایک حسین و خوبصورت شہر تعمیر کیا جس کا نام ابتدا میں "سوائی
جے نگر" تھا بعد میں "جے نگر" ہوا اور آخر میں کثرت استعمال سے "جے پور" ہو گیا جو

---

(بقیہ ص ۴۴۵) کے نام پر زیج محمد شاہی تصنیف کی۔ اسی نے مرزا خیر اللہ بیگ جو کہ علم ریاضی کے
بے نظیر عالم تھے کے ذریعہ جے پور، اجین، شاہجہاں آباد، دہلی، بنارس اور متھرا میں اجرام فلکی کے
مشاہدہ کے لیے رصدگاہیں قائم کیں سنہ ۱۱۴۹ھ سنہ ۱۷۳۲ء میں وہ مالوہ کا گورنر مقرر ہوا۔ سنہ ۱۷۴۳ء میں
وفات پائی۔ اس کا جانشین اس کا پسر راجہ اسیری سنگھ ہوا ہے[1] "زیج محمد شاہی" اس کا بین ثبوت
ہے[2] شہر جے پور میں علم ہیئت اور علم فلکیات کے اعتبار سے عمارت "جنتر منتر" بنائی[3] اس
راجہ نے رسم ستی کو بند کرنا چاہا اگرچہ وہ اس میں کامیاب نہ ہوا اور اس کے مرنے کے بعد
اس کی تین رانیاں ستی ہوئیں اور ستی کی رسم انگریزی دور میں بزمانہ مہاراجہ پرتاب سنگھ
(سنہ ۱۷۷۸ء سنہ ۱۸۰۳ء) ختم ہو سکی ہے[4] مشہور بادشاہ "احمد شاہ درانی" جسے احمد شاہ ابدالی بھی
کہا جاتا ہے نے ہندوستان آنے سے پہلے ایک خط مہاراجہ مادھو سنگھ اول (سنہ ۱۷۵۰ء سنہ ۱۷۶۷ء)
کو لکھا جس میں اسے "راجہ جے نگر" لکھا ہے، اسی خط میں ابدالی نے ایران، توران (بقیہ ص ۴۴۷ پر)



سابق ریاست کی راجدھانی اور اب راجستھان کی راجدھانی ہے۔ مہاراجہ
سوائی جے سنگھ نے اس نئے شہر کی تعمیر کے بعد اس میں پوتھی خانہ[1] بھی قائم کیا۔ جے پور
کے کپڑ دوار کے ریکارڈ دیکھنے سے یہ بات بخوبی معلوم ہوتی ہے کہ راجگان جے پور
کی جائدادیں ہندوستان کے طول و عرض میں پھیلی ہوئی تھیں اور ان کا دائرہ
کابل تک وسیع تھا۔ "مہاراجہ سوائی جے سنگھ" کے زمانہ اور اس کے بعد پورہ جات
کے انتظام کے لیے علحدہ علحدہ وکیل اور مختار مقرر ہوا کرتے تھے۔ لیکن بعد میں

---

(بقیہ ص ۴۴۶) فارس و خراسان کی مہمات سے فارغ ہونے کے بعد اپنے ہندوستان
آنے کا ارادہ ظاہر کیا ہے، یہ خط مرہٹوں کی مخالفت میں ہے، اس نے لکھا ہے کہ اپنے
علاقوں اور مارواڑ سے انہیں نکال دیں اور پکڑ لیں۔ اس خط میں افغانوں اور راجپوتوں
کی قدیم دوستی و محبت کا بھی ذکر کیا ہے۔ اس میں تاریخ ۱۷ محرم الحرام سنہ ۱۱۷۰ھ مطابق
(۸ نومبر سنہ ۱۷۵۹ء) درج ہے۔ یہ خط کپڑ دوارا جے پور کے ریکارڈ میں اپنی اصلی شکل میں آج
بھی موجود ہے اور کیٹلاگ میں بہ نمبر ۱۹۰ انگریزی زبان میں ترجمہ و خلاصہ درج ہے۔
اور اس کا فوٹو پلیٹ ۴۴ شامل ہے) [1] شہر آمیر میں اگرچہ "کتابوں کا ذخیرہ" بہت پہلے
راجگان آمیر نے قائم کر رکھا تھا اور سابق راجگان نے بھی اس کو اس قدر اہمیت دی تھی کہ
اس کی عمارت اپنی خواب گاہ کے قریب ہی رکھی جاتی اور اس کی دیکھ بھال راجہ کے خاص
آدمی یا راجکمار کے سپرد رہتی۔ مہاراجہ سوائی جے سنگھ نے جب نیا شہر جے پور آباد کیا تو کتابوں
کا ذخیرہ اپنے محل سٹی پیلیس میں رکھا اور اس کا نام "پوتھی خانہ" رکھ کر اس کے لیے علحدہ
محکمہ قائم کیا جو نایاب کتابوں کا ذخیرہ تھا، بلاشبہ پورے راجپوتانہ میں پوتھی خانہ کو غیر معمولی
شہرت ہوئی۔

غالباً بزمانہ مہاراجہ رام سنگھ دوم (۱۸۳۵ء تا ۱۸۸۰ء) سب پورہ جات اور جائدادوں کے انتظام کے لیے یکجائی طور پر پورہ جات کا مستقل محکمہ علٰحدہ سے قائم ہوا اور حاکم پورہ جات علٰحدہ سے مقرر ہوا۔ راجستھان بننے کے بعد راج گھرانے جے پور کے پورہ جات کا محکمہ (غالباً) بغرض انتظام راجستھان سرکار کے سپرد ہوا اور مندروں کا انتظام دیوستھان کے سپرد ہوا۔ آراضی حویلی راجہ مان سنگھ (وہ زمین جس میں تاج محل تعمیر ہوا ہے) کے عوض جو مکانات و حویلیاں ملی تھیں اور دیگر جائدادیں معتمد کوٹھی آگرہ کے تحت تھیں جن کا تعلق محکمہ پورہ جات و ہوم ڈپارٹمنٹ سے تھا۔

آخر میں شاہجہاں بادشاہ کے اس فرمان کا ترجمہ اور خلاصہ پیش ہے جس میں راجہ جے سنگھ عرف مرزا راجہ کو آراضی حویلی مان سنگھ اکبرآباد کے عوض میں آگرہ میں چار حویلیاں معہ توابع و متعلقات ہمیشہ ہمیش کے لیے عطا ہوئیں اور جیسا کہ اوپر ذکر ہوا اگرچہ راجگان جے پور کی جائدادیں اکثر عطیہ شاہی تھیں۔ اور اگرچہ راجہ جے سنگھ عرف مرزا راجہ نے اکبرآباد آگرہ کی اس جائداد کو اپنی راضی خوشی ممتاز محل کے مقبرہ کے لیے دے دی تھی پھر بھی چونکہ مقبرہ کی حیثیت ایک مذہبی نوعیت کی ہو جاتی ہے اس لیے شاہجہاں نے اسے بلا قیمت اور بلا معاوضہ لینا پسند نہیں کیا اور اس کے معاوضہ میں چار حویلیاں معہ توابع مرزا راجہ کو دینا ضروری سمجھا اور اس کے لیے فرمان کا اجرا ہوا۔

## شاہ جہاں کا فرمان اور مرزا راجہ کو آگرہ میں چار حویلیاں

"کیٹلاگ آف ہسٹوریکل ڈاکومنٹس ان کپڑ دوارہ جے پور" میں اس فرمان کی



مصدقہ نقل موجود ہے جس کا نمبر ۱۷۶ و ۱۷۷ ہے اور اس فرمان کا خلاصہ انگریزی میں درج ہے اور اس فرمان کی فوٹو کاپی بہ نمبر ۲۲ شامل ہے۔ یہ فرمان سات تاریخ ماہ الٰہی سنہ ۶ مطابق ۲۶ جمادی الثانی ۱۰۴۳ھ (۱۸ دسمبر ۱۶۳۳ء) کو صادر و جاری ہوا۔ مقبرہ کے لیے حاصل کردہ زمین کے معاوضہ میں مندرجہ ذیل چار حویلیاں مرزا راجہ کو آگرہ میں دی گئیں ان کے نام اس طرح درج ہیں۔

حویلی راجہ بھگوانداس، حویلی مادھو سنگھ، حویلی روپسی بیراگی در محلہ بازار اتکہ خان، حویلی چاند سنگھ ولد سورج سنگھ در محلہ سابق' یہ چاروں حویلیاں معہ توابع و معہ متعلقات عطا ہوئیں۔ فرمان میں لکھا ہے کہ یہ چاروں حویلیاں داخل خالصہ شریفہ ہیں اور حویلی مان سنگھ کے معاوضہ میں جو کہ مطیع الاسلام راجہ جے سنگھ نے برضاؤ رغبت واسطے مقبرہ ملکہ نساء دوران خاتون نسوان زمان شرف بنات آدم و حوا مرحومہ مغفورہ مبرورہ "ممتاز محل بیگم" پیش کش کی ہے یہ چاروں حویلیاں ان مفخر الاعیان کی ملکیت میں سپرد ہیں اور چاہیے کہ تمام حکام، عمال، متصدیان، کوتوالان جو اب موجود ہیں یا آئندہ موجود ہوں اس حکم اقدس کے استقرار و استمرار میں کوشش کریں اور مذکورہ بالا حویلیاں ہمیشہ ہمیش ان ہی کے قبضہ و تصرف میں باقی رکھیں اور راجہ لائق الاحسان کی ملکیت اور قبضہ کو قوی رکھیں اور بلا شرط رکھیں اور کسی بھی طور سے مداخلت نہ کریں اور کسی طرح اس کے آس پاس کسی قسم کا عمل اور مداخلت نہ کریں اور اس سلسلہ میں نئے فرمان اور نئی سندیں طلب نہ کریں اور کسی طرح خلاف اور انحراف اختیار نہ کریں اور اپنی ذمہ داری سمجھیں۔ چونکہ شاہی سلطنت میں یہ دستور چلا آرہا تھا کہ فرمان جاری ہونے کے بعد تعمیل و تکمیل کی غرض سے وہ

کئی امرا و عہدہ داران کے پاس جاتا اور کئی محکموں میں اس کا اندراج ہوتا اور عمل درآمد کی تکمیلات ہوتیں اور فرمان کے بموجب اور فرمان کے تحت سب تفصیلات فرمان کی پشت پر بسلسلہ ضمن درج کی جاتی تھیں ان سب تکمیلات اور سب مرحلوں سے گذرنے کے بعد فرمان کی تکمیل ہوتی۔

چنانچہ یہ سب تکمیلات اور اندراجات اس فرمان کی پشت پر درج ہیں۔ اس فرمان کی پشت پر جن امرا کے نام اور عبارت درج ہے اس میں عمدۃ الملک۔ رکن السلطنۃ القاہرہ موتمن الدولۃ الباہرہ اعتضاد الممالک العظیم اعتماد خلافت کبریٰ منتظم الدولۃ السامی جملۃ الملکی مدار المہامی "افضل خاں"[1] اور وزارت و اقبال پناہ جلال دستگاہ میر جملہ و اقبال پناہ جلال دستگاہ "مکرمت خاں"[2] اور نوبت واقعہ نویسی کمترین بندگان میر محمد یہ ہے کہ حکم جہاں مطاع شعاع گردوں ارتفاع صادر ہوا ہے، کہ چاروں حویلیاں معہ توابع جو کہ داخل خالصہ شریفہ تھیں راجہ مان سنگھ کی حویلی کے عوض جو کہ عمدۃ الملک راجہ جے سنگھ نے اپنی راضی خوشی واسطے مقبرہ منورہ کے پیش کی ہیں وہ حویلیاں ہم نے مرحمت فرمادی ہیں۔ مطابق ملکیت راجہ کے مقرر

---

[1] اس کا نام ملا شکر اللہ تھا جو شیراز ایران سے آیا، بزمانہ شاہزادگی شاہجہاں شاہزادہ کے لشکر کا میر عدل ہوا۔ رانا کی مہم میں مصالحت کرائی تو دیوانی شاہزادہ سے امتیاز حاصل کیا۔ تخت پر بیٹھنے کے بعد میر سامانی کے عہدہ پر ممتاز ہوا اور دوسرے سال دیوانی کل کے عہدہ پر سرفراز ہوا۔ شاہجہاں کے عہد کے گیارہویں سال ہفت ہزاری منصب پایا۔ ۱۲ رمضان ۱۰۴۹ھ م ۱۶۳۹ء میں وفات پائی[2] شاہجہانی دور کے امرا میں سے ہیں۔ ان کا ذکر کئی مقامات پر ملتا ہے۔



او مسلم رکھیں بطور یادداشت لکھی گئی۔ تفصیل جملۃ الملکی مدار المہامی یہ بات ہے کہ اس کو واقعات میں داخل کریں۔ مقرب الحضرت السلطانی بہ مہر صادق خاں[1] یہ ہے کہ قواعد سلطنت اور ضوابط معدلت جہانبانی قدوۂ خوانین بلند مکان عمدہ عالی شان جملۃ الملکی مدار المہامی افضل خاں یہ ہے کہ فرمان عالی شان لکھیں۔

یہ سب عبارت فارسی زبان میں لکھی ہوئی ہے۔ یہ فرمان مرور زمانہ سے کہیں کہیں سے شکستہ و بوسیدہ ہوگیا ہے اور بعض الفاظ پڑھنے میں نہیں آتے لیکن چونکہ ساتھ ہی دوسری نقل مصدقہ بھی موجود ہے اس لیے دونوں کے مقابلہ سے فرمان بہت حد تک پڑھنے کے قابل ہو جاتا ہے۔

---

[1] محمد صادق نام لیکن صادق خاں سے مشہور ہیں۔ پیدائش ایران میں ہوئی۔ شاہجہاں کے دور میں بخشی رہے۔ شاہجہاں کے دوسرے بیٹے شہزادہ شجاع کے اتالیق بھی رہے وقائع نویس بھی تھے شاہجہاں کے وفاداروں میں شمار ہوتا ہے۔

---

## ہندوستان کے عہد ماضی میں مسلمان حکمرانوں کی مذہبی رواداری، ا

از

جناب سید صباح الدین عبدالرحمٰن مرحوم

ہندوستان کے مسلمان حکمرانوں کی مذہبی رواداری، فراخدلی، انسان دوستی اور خاص طور پر ہندو نوازی کی تفصیل مستند ماخذوں اور معاصر تاریخوں کے حوالہ سے بیان کی گئی ہے، پہلے حصہ میں مغلیہ حکومت سے پہلے کے سلاطین، دوسرے میں بابر سے شاہجہاں کے عہد تک اور تیسرے حصہ میں اورنگزیب عالمگیر اور اسکے بعد کے مغل بادشاہوں کی تفصیلات ہیں۔

قیمت حصہ اول ۳۰/- دوم ۴۵/- سوم ۳۰/- "منیجر"

# بلغاریا — آئینۂ ایام میں

از: محمد عارف اعظمی عمری۔

"مجلہ الفرقان، کویت بابت ماہ اپریل ۹۲ء میں بلغاریا پر ایک معلوماتی مضمون شایع ہوا ہے، اس میں اس موضوع کی دوسری کتابوں کی مدد سے مزید ضروری باتوں کا اضافہ کرکے یہ مضمون قارئین معارف کے لیے پیش کیا جاتا ہے۔" (عارف)

بلغاریا مشرقی یورپ کا ایک اہم ملک ہے، اس کے افق پر ترک فرماں رواؤں کے زمانے میں آفتاب اسلام نے ضیا پاشی کی، لیکن آل عثمان کے بعد وہ ایک خالص سلاوی اسٹیٹ بن گیا اور آخر میں کمیونزم نے اسے اپنی آغوش میں لے لیا اور اب ۱۹۸۹ء میں اسے آزادی نصیب ہوئی ہے، بلغاریا کا پس منظر جاننے کے لیے پہلے ترکوں کے بارے میں کچھ جاننا ضروری ہے،

**ترک قوم** ترک خانہ بدوش قوم تھے، ان کی اصل جولان گاہ مشرقی اور وسط ایشیا تھے، لیکن مغربی ایشیا اور مشرقی یورپ کے باشندے بھی ان کی غارتگری سے مامون نہیں تھے، چھٹی صدی عیسوی میں انھوں نے اپنی ایک زبردست سلطنت قائم کرلی تھی جو منگولیا اور چین کی شمالی سرحد سے لے کر بحر اسود تک پھیلی ہوئی تھی۔ اس سلطنت کے بانی کا نام چینی تاریخوں میں تومین (Tumen) اور ترکی کتبوں میں بومین (Bumin) درج ہے،



**ترک اور اسلام** ترک پہلی صدی ہجری میں ولید بن عبد الملک کے عہد خلافت میں اسلام سے روشناس ہوئے، اسی عہد میں حضرت قتیبہ بن مسلمؒ نے ترکوں کے علاقوں بخارا، سمرقند، پیکند، خوارزم (خیوا) فرغانہ، شاش (تاشقند) اور کاشغر کو فتح کرکے وہاں اسلامی حکومت قائم کی، حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے اپنے عہد خلافت میں عبد اللہ بن معمر الیشکری کو دعوت اسلام کے لیے ماوراء النہر بھیجا جس کے نتیجے میں بعض قبیلے مسلمان ہوئے اور خلیفہ ہشام کے عہد میں ابو صیدار کی تبلیغ سے ماوراء النہر میں اسلام کی عام اشاعت ہوئی۔

**ترکوں کا عروج** عباسی عہد میں معتصم باللہ خلیفہ ہوا، اس کی ماں ترک نژاد تھی، اسلیے قدرتاً اس کا رجحان ترکوں کی جانب زیادہ ہوگیا تھا، چنانچہ اس نے بغداد سے تقریباً ساٹھ میل کے فاصلہ پر ترکوں کے لیے ایک فوجی چھاؤنی بنوائی تھی جو سامراء کے نام سے ایک مشہور شہر بن گیا اور مدتوں آل عباس کا پایۂ تخت رہا۔

معتصم کی ترک نوازی سے رفتہ رفتہ ترک شہزادے اور امراء ترکستان چھوڑ کر سامراء میں آباد ہونے لگے، جن میں بعض بت پرست اور بعض آتش پرست بھی تھے، دار الخلافہ میں رہنے سے غیر مسلم ترکوں میں بھی اسلام پھیلنے لگا۔ اس کے نتیجہ میں ماوراء النہر کے ترکوں میں بھی جو اپنے وطن ہی میں مقیم تھے اسلام کی کافی اشاعت ہوئی اور رفتہ رفتہ حکومت میں بھی ان کا اثر و رسوخ بڑھا اور اقتدار میں بھی وہ دخیل ہوگئے۔

**ترکوں کی حکمرانی اور سلطنت عثمانیہ** خلافت عباسیہ کے عہد زوال میں مختلف صوبوں کے گورنروں نے اپنی خود مختار حکومتیں قائم کرلی تھیں، اسی طرح ترکوں نے بھی مصر میں طولونیہ اور اخشیدیہ، ترکستان میں ایلکیہ افغانستان و ہند میں غزنوی سلطنت

کی بنیاد ڈالی، ان کی بیشتر خود مختار حکومتیں تیسری صدی کے وسط سے چوتھی صدی کے
وسط تک قائم ہو چکی تھیں، پانچویں صدی ہجری میں ترکوں کے ایک گروہ نے خراسان
میں دولت سلجوقیہ کا سنگ بنیاد رکھا، اسی سلجوقی حکومت کے ایک معمولی سپاہی ارطغرل
نے اپنی شجاعت اور جوانمردی کی بنا پر نمایاں کامیابی حاصل کی، اسی کے بڑے بیٹے
عثمان خاں دولت عثمانیہ کے بانی اور پہلے تاجدار ہوئے۔

**بلغاریا پر سلطنت عثمانیہ کی فوجکشی**

بلغاریا میں سب سے پہلے سلطنت عثمانیہ کے فرماں روا
مراد اول نے فوجکشی کی، ۷۶۱ھ/۱۳۶۰ء میں اس نے دردانیال کو عبور کر کے مشرقی یورپ
میں فتوحات کا ایک حیرت انگیز سلسلہ شروع کیا، اس وقت بلغاریا میں بیزنطی
حکومت قائم تھی، اس سے ترکوں کی سخت معرکہ آرائی ہوئی، بالآخر ۷۷۳ھ/۱۳۷۱ء میں
مراد کے فوجی جنرل لالہ شاہین نے صوفیا کے قریب سماکوف کے میدان میں بیزنطی فوجوں
کو شکست فاش دے کر کوہ بلقان تک کا سارا علاقہ سلطنت عثمانیہ میں شامل کر لیا۔
۷۹۵ھ/۱۳۹۳ء میں مراد اول کے لڑکے بایزید یلدرم نے بلغاریا پر دوبارہ فوجکشی کی اور
اس کے پایۂ تخت ترانوو پر قبضہ کر کے پورے ملک کو سلطنت عثمانیہ کے حدود میں
داخل کر لیا، اسی کے بعد بلغاریا اسلامی حکومت کے زیر نگیں ہو گیا اور وہاں کثیر تعداد
میں ترک آباد ہونے لگے۔ اس طرح اسلام کی بھی وہاں خوب نشر و اشاعت ہوئی،
لیکن واضح کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ بلغاریا میں نہ عیسائیوں کو کبھی جبراً اسلام
میں داخل کرنے کی کوشش کی گئی اور نہ ہی انہیں ترک وطن کے لیے مجبور کیا گیا، بلکہ
انکے ساتھ مکمل مذہبی رواداری رکھی گئی، پورے ملک میں تقریباً پانچ صدیوں تک
اسلام کا پرچم لہراتا رہا۔ لیکن نہ عیسائیوں کا بال بیکا ہوا اور نہ ان کی عبادتگاہوں سے



کوئی تعرض کیا گیا بلکہ انہیں اپنے مذہبی رسوم ادا کرنے کی پوری آزادی حاصل تھی۔

**بلغاریا میں صلیبی اتحاد اور مشرقی تجویز**

سلطنت عثمانیہ کے تنزل اور اختلال نے یورپ کے حوصلے
بہت بلند کر دیے، چنانچہ اس نے ترکی کے خلاف ایک مذہبی
جنگ کا اعلان کیا، جس میں سلطنت عثمانیہ کی مغربی سرحدوں پر واقع عیسائی
حکومتوں نے نمایاں حصہ لیا اور اس کے لیے ان کا ایک مقدس اتحاد بھی ۱۰۹۵ھ/۱۶۸۴ء
میں قائم ہوا، جس میں ابتدا میں آسٹریا، پولینڈ، وینس اور مالٹا شریک تھے۔
اور ۱۶۸۶ء میں روس بھی اس اتحاد میں شامل ہو گیا۔

روس کے ایک فوجی کمانڈر میونخ نے زار کو یہ باور کرایا کہ سلطنت عثمانیہ
کی عیسائی رعایا کی تعداد مسلمان حکمرانوں کے مقابلہ میں کئی گنا زیادہ ہے اور وہ
ترکی حکومت سے آزادی حاصل کرنے کے لیے بے چین ہے، جس کے لیے اس کی
نگاہیں زار روس کی طرف لگی ہوئی ہیں، میونخ کی اس تجویز کو مشرقی تجویز
(Oriental Project) کا نام دیا گیا اور زار کی ہدایت کے مطابق عثمانی سلطنت
کے یورپین صوبوں میں روسی جاسوس بھیجے جانے لگے تاکہ وہ وہاں کی عیسائی رعایا کو
سلطنت عثمانیہ کے خلاف بغاوت پر آمادہ کر سکیں، چنانچہ بلغاریا میں پیٹر اعظم
کے زمانہ ہی سے روس کے خفیہ جاسوسوں کی آمد و رفت جاری تھی۔

**جمعیت سلاوی**

روس کی عادت مستمرہ یہ ہے کہ پہلے وہ اپنے ایجنٹوں کے ذریعہ
اندرون ملک خانہ جنگی کا ماحول پیدا کرتا ہے پھر کمزور جماعت کی حمایت کے
بہانہ وہ اس میں دخل اندازی شروع کر دیتا ہے اور جب خود اس کی پیدا کردہ
بدامنی جڑ پکڑ لیتی ہے تو قیام امن کے دعویٰ کے ساتھ وہ اپنی فوجیں اس ملک میں

داخل کرکے اس پر قابض ہوجاتاہے، کیتھرائن کے عہد میں پولینڈ کی جنگ سے لیکر حالیہ افغانستان کی جنگ تک روس اپنی اس پالیسی کو دہرا رہا ہے، بلغاریا اور اس کی متصل ریاستوں پر قبضہ کرنے کے لیے بھی اس نے یہی حربہ اختیار کیا چنانچہ اسی مقصد سے اس نے ۱۸۴۰ء میں جمعیت سلاوی (Pan Slavism) کی تشکیل کی اس جمعیت نے پہلے سلاوی قوموں کے اندر روسی ادب اور لٹریچر کی نشرواشاعت شروع کی ان کے ایجنٹ خفیہ اور علانیہ طور پران علاقوں میں جاکر لوگوں کو سلطنت عثمانیہ کے خلاف بغاوت پر آمادہ کرتے تھے جمعیت کے خرچ پر سلاوی قوموں کے بچے روس بھیجے جاتے تھے، جہاں جمعیت کی طرف سے قائم کردہ مدارس میں تعلیم حاصل کرتے تھے۔ جب تعلیم سے فراغت کے بعد بچے واپس آتے تو جمعیت کے مقاصد کی نشرواشاعت کے لیے اپنے شہروں میں مدرسے قائم کرتے، غرض اس طرح جمعیت کے ارکان روسی حکومت کی پشت پناہی میں بلقان کے تمام شہروں میں پھیل گئے وہ وہاں کے باشندوں کی مالی مدد کرتے اور خفیہ طور پر ان کے لیے فوجی سامان بھی بہم پہونچاتے تھے، رفتہ رفتہ بلقان کے عیسائی جمعیت سلاوی کے مطیع ہوگئے اور وہ علم بغاوت بلند کرنے کے لیے بس روس کے اشارہ کے منتظر تھے۔

۱۸۶۷ء میں اتحاد سلاوی کی ایک عظیم الشان کانگرس سائنٹیفک انجمن کے نام سے ماسکو میں منعقد ہوئی، جس میں ایک کمیٹی کی تشکیل ہوئی جس کا صدر مقام ماسکو کو بنایا گیا اور ایک ذیلی کمیٹی سینٹ پیٹرسبرگ میں قائم کی گئی۔

**سلطنت عثمانیہ کی روس سے آویزش**

روس نے بلقان کی سلاوی ریاستوں میں ایک طرف



یہ خفیہ جال بچھا رکھا تھا، دوسری طرف اس نے آسٹریا کو اپنا ہمنوا بناکر سلطنت عثمانیہ پر حملہ کردیا، یہ حملہ گو مختصر تھا مگر اس میں بڑی قتل و غارتگری کی گئی، مورخ کریسی کا بیان ہے کہ "روسی فخر کرتے تھے کہ اس مختصر سے حملہ میں انھوں نے چھ ہزار مکانات، اڑتیس مسجدیں، دو گرجے اور پچاس چکیاں جلا ڈالیں" سلطنت عثمانیہ کے ساتھ روس کی یہ آویزش پیٹر اعظم کے عہد سے لے کر کیتھرائن کے عہد تک برابر جاری رہی۔

**بلغاریا کا قومی کلیسا اور جنرل اگناتیف**

۱۸۷۰ء میں بلغاریا میں ایک اہم واقعہ پیش آیا جس کے بعد میونخ کی مشرقی تجویز کی منزل آسان ہوگئی، اسوقت جنوبی مشرقی یورپ کی تمام عیسائی رعایا جو سلطنت عثمانیہ کے زیر حکومت تھی، یونانی کلیسا کے ماتحت آرتھوڈاکس مذہب کی پابند تھی، مگر جب روس کی خفیہ ریشہ دوانی سے بلغاریا میں وطنی اور نسلی جذبات بیدار ہوئے تو وہاں کے عیسائیوں کو اپنا مستقل قومی کلیسا قائم کرنے کی فکر ہوئی، یونانی کلیسا کے بطریق اعظم کو جب اس کی اطلاع ہوئی تو اس نے بلغاریا والوں کو کچھ مخصوص مراعات دے کر راضی کرنے کی کوشش کی مگر وہ اس کے لیے تیار نہ ہوئے بلکہ آرتھوڈاکس مذہب ہی کو خیرباد کہہ کر رومن کیتھولک مذہب کو اختیار کرنے کے لیے آمادہ ہوگئے اور اسکے متعلق انھوں نے پوپ سے گفتگو بھی شروع کردی۔

اس وقت سلطنت عثمانیہ انحطاط سے دوچار تھی اور اس پر روس کا دباؤ بھی کافی بڑھ چکا تھا، روس نے سلطنت عثمانیہ سے یہ معاہدہ کرلیا تھا کہ اسکا

ایک سفیر باب عالی میں رہا کرے گا، چنانچہ ان دنوں وہاں کا روسی سفیر جنرل اگناتیف تھا جو بہت ہی شاطر اور جمعیۃ سلاوی کا رئیس اعظم تھا۔ اس کے بارہ میں ترک مورخ احمد صائب بک نے لکھا ہے کہ "اگناتیف وہ شخص ہے جس نے مشرق ادنیٰ میں سیاست روس کی ترویج میں سب سے زیادہ حصہ لیا،

بلغاریا کے اس ہنگامہ اور انتشار سے روس نے پورا فائدہ اٹھایا، اس نے بلغاری باشندوں سے یہ وعدہ کیا کہ وہ ان کے لیے ایک مستقل کلیسا قائم کرنے کے لیے سلطنت عثمانیہ پر دباؤ ڈالے گا، چنانچہ جنرل اگناتیف نے بلغاریا والوں کی درخواست اپنی سفارشات کے ساتھ سلطان عبدالعزیز کے پاس بھیجی بدقسمتی سے سلطان اور اس کے وزرا بھی جنرل اگناتیف سے بہت متاثر تھے۔ علاوہ ازیں وہ خود بلغاریا والوں کی وطنی اور نسلی تحریک کو ترقی دینا چاہتے تھے تاکہ بلقان میں یونانیوں کی حریف ایک مضبوط قوم پیدا ہو جائے لیکن اگناتیف کا اصلی مقصد یہ تھا کہ بلغاری قوم کو ایک مستقل حیثیت حاصل ہو جائے جو آیندہ روس کے زیر سایہ رہے۔

۱۰ مارچ ۱۸۷۰ء کو سلطان عبدالعزیز نے ایک فرمان جاری کر کے بلغاریا کی جداگانہ حیثیت تسلیم کر لی اور اس کے لیے ایک آزاد قومی کلیسا قائم کرنے کی اجازت بھی دے دی اس کے بعد ہی بلقان میں ایک جدید قومیت کی بنیاد پڑ گئی اور بلغاریا جو صدیوں سے مملکت اسلام کے زیر سایہ تھا وطنی اور نسلی بنیاد پر ایک مملکت بن گیا اور یہ سارا کارنامہ روسی سفیر اگناتیف کی کوششوں سے انجام پایا۔

**ایک عظیم سازش**

حقیقت یہ ہے کہ بلقان کی تمام شورشیں روس کی ایک منظم



تحریک اور منصوبہ بند سازش کا نتیجہ تھیں، چنانچہ جمعیۃ سلاوی کے ارکان نے اپنی خفیہ کمیٹیوں کے ذریعہ بلغاریا کے عیسائیوں اور مسلمانوں کو برانگیختہ کر کے ان کے مابین فرقہ وارانہ تصادم برپا کرا دیا جس کو مغربی پریس نے عیسائیوں کے اوپر ظلم قرار دیکر اسے خوب اچھالا اور اس طرح مغربی یورپ کو سلطنت عثمانیہ کے معاملات میں مداخلت کا موقع فراہم ہو گیا۔

**معاہدہ برلن**

بالآخر روس اور سلطنت عثمانیہ کے درمیان ایک سخت معرکہ بپا ہوا جس میں بلغاریا کو میدان جنگ بنایا گیا، اس جنگ کے نتیجہ میں ۳ مارچ ۱۸۷۸ء کو سان اسٹیفانو کے نام سے ایک معاہدہ ہوا جس کی رو سے بلغاریا کو ایک باجگزار خود مختار ریاست کا درجہ دیدیا گیا، پھر ۱۳ جون ۱۸۷۸ء کو مشہور تاریخی معاہدہ برلن وجود میں آیا جس میں یہ قرار پایا کہ بلغاریا کے فرماں روا کا انتخاب وہاں کے باشندے خود کریں گے اور اس کا تقرر دول عظمیٰ کی منظوری کے بعد سلطنت عثمانیہ کی طرف سے عمل میں آئے گا۔

درحقیقت معاہدۂ برلن یورپ میں سلطنت عثمانیہ کے خاتمہ کا پیش خیمہ تھا اب محض ایک رسمی سا تعلق باقی رہ گیا تھا اور وہ بھی جلد ہی ختم ہو گیا چنانچہ ۳ اکتوبر ۱۹۰۸ء کو بلغاریا کے والی فرڈیننڈ (Ferdinand) نے اس کی مکمل خود مختاری کا اعلان کر کے "زار" کا لقب اختیار کر لیا اور اس وقت سے بلغاریا ایک خالص سلاوی اسٹیٹ بن گیا۔

پہلی جنگ عظیم کے دوران بلغاریا ترکی اور جرمنی کا حلیف تھا، ۱۹۳۲ء میں

وہاں فوجی انقلاب آیا اور دوسری جنگ عظیم میں وہ نازی جرمنی کے ساتھ ہوگیا یکم ستمبر ۱۹۴۴ء کو روسی افواج نے بلغاریا پر حملہ کرکے اس پر قبضہ کرلیا، تاہم اقتدار وہاں کے مقامی باشندوں کو حاصل رہا، لیکن ۱۹۴۷ء کے آغاز میں کمیونسٹوں نے اقتدار پر بھی قبضہ جمالیا اور کمیونسٹ بلغاریا کے پہلے لیڈر اور صدر جارج دمیتروف مقرر ہوئے، جس نے یہ اعلان کیا کہ ارض بلقان صرف بلقانی باشندوں کی ہے، یہاں سے عثمانیوں کے تمام نشانات و آثار ختم کر دینے چاہئیں، ۱۹۵۴ء میں دمیتروف قتل کر دیا گیا اور اس کی جگہ تیدور جیکوف بلغاریا کا حکمران مقرر ہوا، اس شخص نے انتہائی سفاکی اور بے رحمی کے ساتھ حکومت کی یہاں تک کہ ۱۰ نومبر ۱۹۸۹ء میں بلغاریا سے کمیونزم کا جنازہ ہی نکل گیا۔

**کمیونسٹ عہد حکومت میں بلغاریہ کے مسلمانوں کا حال زار**

کمیونزم انقلاب کے بعد ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ بلغاریا کے تمام باشندوں کے ساتھ یکساں سلوک کیا جاتا خواہ وہ مسلمان ہوں یا عیسائی، ترکی ہوں یا بلغاری لیکن دعویٰ تو کچھ ہوتا ہے اور عمل کچھ اور ہوتا ہے، چنانچہ بلغاریا میں کمیونزم کا تختۂ مشق مسلم اقلیت ہی زیادہ بنی، کیونکہ ان کے خلاف صلیبی بغض وعناد اور کمیونزم کی مخالفت کا غیظ وغضب دونوں جمع ہوگیا تھا، چنانچہ بلغاریا میں مسلمانوں کی آراضی قومی ملکیت میں لے لی گئیں اور ان سے کہا گیا کہ وہ محض بلغاری بن کر رہیں، جس کا صاف مطلب یہ تھا کہ مسلمانوں کو ہجرت کے لیے مجبور کردیا جائے جس کے لیے بلغاریا نے ترکی سے ایک معاہدہ بھی ۱۱ اکتوبر ۱۹۲۵ء کو کرلیا جس کی رو سے بلغاریا کے مہاجر مسلمان ترکی میں پناہ گزین ہو سکتے ہیں، غرض ۱۹۵۰ء میں بلغاریا سے باون ہزار بلغاری مسلمان



ہجرت کرکے ترکی چلے گئے پھر دوسرے سال ۱۹۵۱ء میں ایک لاکھ چون ہزار مسلمانوں نے اپنے وطن کو خیرباد کہا، ان مہاجرین میں بمشکل گیارہ فیصد اپنی مرضی سے ہجرت کرکے گئے تھے، باقی تمام لوگ ظلم واستبداد سے تنگ آکر ہجرت کے لیے مجبور ہوئے تھے، یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ مہاجرین میں صرف ڈھائی فیصد لوگ ہی اپنی املاک وجائداد کو مناسب قیمت پر فروخت کر سکے تھے۔ اسکے بعد متواتر بلغاری مسلمان ہجرت کرتے گئے، جولائی ۱۹۸۹ء میں وہاں کے مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد اپنا وطن چھوڑنے پر مجبور ہوئی، اس دفعہ انکی تعداد تین لاکھ تھی، ان کی جائداد واملاک بھی ان سے چھین لی گئی تھی، ذیل کے نقشہ سے بلغاریا کے مسلمان شہداء اور مہاجرین کا اندازہ ہوگا اس میں معاہدہ برلن کے وقت روس سے آویزش اور جنگ بلقان کے شہدا کا بھی تخمینہ درج ہے

| سنین | تعداد شہدا | تعداد مہاجرین |
|---|---|---|
| ۱۸۷۷ء - ۱۸۷۸ء | چار لاکھ پچاس ہزار | پندرہ لاکھ |
| ۱۸۸۳ء | — | دو لاکھ |
| ۱۸۸۴ء | — | چھ لاکھ |
| ۱۸۹۳ء تا ۱۹۰۲ء | — | ستر ہزار |
| ۱۹۱۲ء - ۱۹۱۳ء | دو لاکھ | دس لاکھ |
| ۱۹۲۳ء - ۱۹۳۹ء | — | دو لاکھ |
| ۱۹۴۰ء - ۱۹۴۹ء | — | بیس ہزار |
| ۱۹۵۰ء | — | باون ہزار |

| سنین | تعداد شہدا | تعداد مہاجرین |
|---|---|---|
| ۱۹۵۱ء | — | ایک لاکھ دو ہزار |
| ۱۹۵۲ء تا ۱۹۸۰ء | — | ایک لاکھ تیس ہزار |
| ۱۹۸۹ء | — | تین لاکھ |

**بلغاریہ کا قومیت کا نعرہ**

۱۹۴۴ء سے بلغاریا کی کمیونسٹ حکومت نے قومیت کا نعرہ دیا۔ جس کا اصل مقصد مسلمانوں کا امتیازی تشخص ختم کر کے ان کو غیر مسلم بنانا تھا دراصل قومیت کا نعرہ ہی بہت خطرناک اور شر انگیز ہے مگر بد قسمتی سے یہی وبا بیشتر اسلامی ممالک میں پھیلی ہوئی ہے، جبکہ یہ باطل نعرہ اسلام اور حقوق انسانی دونوں کے منافی ہے، بالخصوص اسلام تو تمامتر آزادی و حریت کا داعی اور جبر و تشدد کا مخالف ہے، اس کا یہ اعلان عام ہے کہ:

لا اکراہ فی الدین — دین کے معاملہ میں کوئی زور زبردستی نہیں۔

چنانچہ بلغاریا والوں میں جب سے قومیت و وطنیت کی آگ بھڑکی ہے اسی وقت سے ان کے دلوں میں سلطنت عثمانیہ کے خلاف غم و غصہ کے جذبات پیدا ہو گئے ہیں، وہ عثمانیوں کے تمام آثار مٹا دینے کے درپے ہو گئے ہیں اور یہ آثار کیا تھے؟ ۱۔ بلغاریا کے باشندے جن کی اکثریت مسلمان تھی، ۲۔ زبان۔ ۳۔ مساجد۔ ۴۔ نام۔ ۵۔ اسلامی عہد کی آبادیاں۔ ۶۔ علماء۔ ۷۔ کتابیں۔ ۸۔ مدارس اور میوزیم۔

قومیت کے اس بھیانک تصور کو اپنا کر حسب ذیل اقدامات کیے گئے۔



۱۔ بلغاریا کے مسلمان باشندوں کو پُر مشقت اور زحمت طلب کاموں پر مامور کرنا مثلاً سڑک، پل اور بندھ کی تعمیر اور نہروں کی کھدائی وغیرہ۔

۲۔ ان کے اسلامی ناموں کی تبدیلی تاکہ امتداد زمانہ سے وہ اس کو بھول جائیں کہ کبھی وہ یا ان کے آباء و اجداد مذہب اسلام کے پیرو کار تھے۔

۳۔ اسلامی عہد کے آثار و نشانات کا انہدام، ۱۹۸۴ء میں شہر بلونڈیف میں فوج نے تمام کی عمارتوں کو ڈھا دیا، شہر شومنو میں مسجدیں، مدرسے اور وہاں کے شہرت یافتہ تمام کی عمارتیں زمین بوس کر دی گئیں، شہر بازار اور زلاتو قراد کی تمام مساجد توڑ دی گئیں، شہر استارہ زارہ کی تمام مسجدیں، مدارس، اسلامی مکاتب اور مقبرے مسمار کر دیے گئے، غرض بلغاریا میں تقریباً بارہ سو مسجدیں معدوم کر دی گئیں اور اب صوفیا جیسے اسلامی شہر میں صرف تین مسجدیں باقی بچی ہیں، جن میں ایک میوزیم بنا دی گئی ہے اور دوسری کو کلیسا میں تبدیل کر دیا گیا ہے اور تیسری مقفل ہے۔

۴۔ ۱۹۵۷ء میں بلغاریا کے تمام اسلامی مدارس کو قومی تحویل میں لے لینا، مذہبی علوم کی تعلیم کو ممنوع قرار دینا اور ترکی زبان کو جو کہ بلغاریا کے ترک باشندوں کی مادری زبان تھی ثانوی حیثیت دے کر بے جان کر دینا۔

۵۔ عوام میں فنون ادب کو فروغ دے کر حکومتی سطح پر مذہب اسلام اور مسلمانوں کی تحقیر و مذمت اور اس کے بالمقابل بلغاری کمیونسٹ معاشرہ کی تحسین و حوصلہ افزائی کرنا اور اس کو رجعت پسندی، فتنہ و فساد اور سستی و کاہلی سے پاک معاشرہ قرار دینا اور ........ ان تمام امور کو

اسلامی تعلیمات سے ہم آہنگ ثابت کرنا اور یہ کہنا کہ روزہ سے افزایش نسل متاثر ہوتی ہے اور حج سے مختلف امراض اور وبائیں ایک مقام سے دوسرے مقام تک پہونچتی ہیں، غرض مذہب اسلام کو مکمل طور پر مجروح کرنے کی کوشش۔

۶۔ ائمہ مساجد، واعظین اور اسلامی مدارس کے طلبہ واساتذہ کی تحقیر، اسلامی شعائر مثلاً کرتا پائجامہ اور پردہ وغیرہ کا مذاق اڑانا۔

۷۔ ان اہل قلم کی حوصلہ افزائی جو اسلامی تعلیمات کا مذاق اڑاتے تھے، ایسے ڈرامے تیار کرنا جو اسلامی اخلاق اور عثمانی سلطنت کے تمسخر پر مبنی ہوں اور اسلام واسلامی تعلیمات کو رجعت پسندی اور بلغاریا کی عدم ترقی کا باعث بتانا۔

۸۔ مسجدوں میں نماز پڑھنے، ترکی زبان بولنے، اسلامی احکام وآداب کی ادائیگی اور مذہبی جلسوں کی ممانعت اور ان سب کا قابل مواخذہ جرم ہونا۔

۹۔ مسلمان بچوں کے ذہنی تنقیہ (برین واشنگ) کے لیے انکو غیر ممالک میں بھیجنا تاکہ وہ لوٹ کر اپنے معاشرہ میں بے دینی اور لامذہبیت کو فروغ دیں۔

۱۰۔ فوج، پولیس اور اس طرح کے دوسرے اہمیت کے حامل محکموں اور کلیدی عہدوں سے مسلمانوں کو محروم رکھنا اور انہیں گھٹیا اور پست کاموں پر مامور کرنا جیسے جھاڑو لگانا، برتن صاف کرنا، یا اس طرح کے دوسرے حقیر کام ان کے سپرد کرنا۔

۱۱۔ مسلمان بچوں کو تعلیم سے محروم رکھنا، چنانچہ بمشکل ۴-۵ ہزار مسلم طلبہ یونیورسٹی کی سطح پر زیر تعلیم ہیں۔

۱۲۔ مسلم معاشرہ میں خوف وہراس اور شک وشبہ پیدا کرنا اور اسکے



لیے جاسوسی وسراغرسانی کو فروغ دینا، حد یہ ہے کہ اس معاشرہ میں باپ اپنے بیٹے سے خائف اور شوہر بیوی سے چوکنا رہتا۔

۱۳۔ مسلمانوں کے درمیان نسلی اور لسانی اختلافات کو ہوا دے کر ان کو ایک دوسرے سے متصادم کر دینا۔

۱۹۸۰ء سے بلغاری قومیت کا رجحان خطرناک حد تک آگے بڑھ گیا تھا اور اس کو کمیونزم کے فروغ کا ایک اہم وسیلہ بنا لیا گیا تھا، چنانچہ تاریخی حقیقت کے نام پر ایسی کتابیں شایع کی جانے لگیں جن میں بلغاری مسلمانوں کو یہ باور کرایا جاتا کہ ان کے آباء واجداد نے عثمانیوں کی تلواروں کے ڈر سے اسلام قبول کر لیا تھا، اس لیے اب وہ اس مذہب کو ترک کر دیں اور اگر کوئی شخص اس سے انکار کرتا تو اس کو بھرے مجمع میں گولی مار دی جاتی تھی۔

غرض بلغاری قومیت کے نام پر بلغاریا کے مسلمانوں پر ظلم وستم کے وہ پہاڑ توڑے گئے کہ صوفیا میں متعین سوویت یونین کے سفیر نے کہا کہ:

"بلغاری قومیت کا نعرہ ہی وہ کامیاب طریقہ ہے جس سے کمیونزم کو فروغ حاصل ہو سکتا ہے اور اس نظریہ کو تمام کمیونسٹ ملکوں میں اختیار کیا جانا چاہیے"۔

غرض کمیونسٹ عہد حکومت میں بلغاریا کے مسلمانوں پر بڑے مظالم ہوئے اور یہ دراصل صلیبی بغض وعناد کی بنیاد پر ہوا اور درحقیقت کمیونزم صلیبیت ہی کا ایک مکروہ چہرہ ہے، تاہم بلغاریا میں اس قدر ظلم وستم کے باوجود حقیقت پسند مبصرین کا کہنا ہے کہ بلغاریا کی نصف آبادی مسلمانوں پر مشتمل ہے جس کو بلغاریا کے روشن مستقبل کی ایک واضح علامت کہا جا سکتا ہے۔

**بلغاریا کی موجودہ مسلم آبادی** بلغاریا کی موجودہ مسلم آبادی مختلف نسلوں سے تعلق رکھتی ہے جن کی تعداد بیس سے زیادہ بتائی جاتی ہے، ان میں سے چند اہم اور قابل ذکر ہیں:

۱۔ ترک:۔ انکی تعداد اکیس لاکھ چونسٹھ ہزار ہے۔

۲۔ پومک :۔ یہ بلغاریا کے وہ اصل باشندے ہیں جنھوں نے اسلام قبول کر لیا تھا، ان کی تعداد دس لاکھ ہے۔

۳۔ مکادون :۔ یہ ایک خانہ بدوش قوم ہے اور ترکی زبان بولتی ہے، ان کی آبادی سات آٹھ لاکھ کے قریب ہے۔

۴۔ النور :۔ ان کی آبادی تقریباً چار لاکھ پچاس ہزار مسلمانوں پر مشتمل ہے،

۵۔ تاتاری :۔ یہ تقریباً ایک لاکھ مسلمان ہیں۔

۶۔ ارناؤط :۔ یہ تقریباً پچاس ہزار مسلمان ہیں۔

---

## دولت عثمانیہ جلد اول و دوم

مرتبہ

ڈاکٹر محمد عزیر سابق رفیق دارالمصنفین

اس کتاب میں سلطنت عثمانیہ کے عروج و زوال اور اس کے تمدنی اور ثقافتی کارناموں کی تاریخ اور جمہوریہ ترکی کے مفصل احوال درج ہیں، پہلی جلد میں ارطغرل و عثمان اول سے لے کر مصطفیٰ رابع تک اور دوسری جلد میں محمود ثانی سے جنگ عظیم اول تک کے حالات و واقعات دیے گئے ہیں۔

قیمت جلد اول ۵۵ روپیے قیمت جلد دوم ۵۰ روپیے۔

"منیجر"



# اخبار علمیہ

یورپ، خصوصاً برطانیہ میں اسلام کے پیغام کو عام کرنے کی مساعی اور کوششیں قابل ستائش ہیں، گذشتہ دنوں لندن سے انگریزی زبان میں دو مذہبی رسالے "سبل السلام" اور "مائی سسٹر" موصول ہوئے، صوری محاسن کے ساتھ یہ تفسیر، حدیث، سیر صحابہ، ائمہ سلف کے سوانح اور اسلامی شاعری کے پاکیزہ انتخاب سے مزین ہیں، سبل السلام کے پہلے شمارہ کا زیادہ حصہ شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا سہارنپوریؒ کے افادات پر مشتمل ہے، خواتین کے رسالہ مائی سسٹر کے پہلے شمارہ میں حضرت حلیمہؓ اور بعض امہات المومنینؓ کا تذکرہ ہے، قرآن مجید اور غیبت و تفاخر پر بھی مضامین ہیں۔

---

برطانیہ میں اردو زبان و ادب سے تعلق و اعتنا کی خبریں بھی خوش آئند ہیں، "اخبار اردو" اسلام آباد کے تازہ شمارہ سے معلوم ہوا کہ بین الاقوامی سطح پر برطانیہ شاید واحد ملک ہے جہاں اردو، اسکولوں کے نصاب کا ایک لازمی حصہ ہے، صرف بریڈفورڈ میں تقریباً پانچ ہزار بچے اردو کی تعلیم حاصل کرتے ہیں، ان میں انگریز بچے بھی شامل ہیں، خوشی کی بات ہے کہ ان اردو سیکھنے والے بچوں کی تعداد میں اضافہ ہو رہا ہے، ادبی و ثقافتی اعتبار سے بعض تنظیمیں مثلاً اردو سنٹر، اردو مرکز، فیض کلچرل اکیڈمی، اردو مجلس، ترقی پسند مصنفین، حلقہ ارباب ذوق، حیدرآبادی

ایسوسی ایشن، اردو اکیڈمی، بزم اردو، عرفان اردو اور ترقی اردو وغیرہ سرگرم عمل ہیں، اردو کے ہفت روزہ اخبارات راوی، مشرق، اردو ٹائمز وغیرہ پابندی سے شایع ہوتے ہیں، تقریباً تین سو شاعر بھی ہیں جن میں پچاس سے زیادہ شعراء کا کلام برابر چھپتا رہتا ہے۔

———— . ————

استنبول یونی ورسٹی کے شعبۂ تاریخ میں ۱۹۸۵ء سے ہر سال کسی ایک موضوع پر ایک سیمینار ہوتا رہا ہے، اس سال کا موضوع سلطان عبدالحمید دوم اور ان کا عہد ہے، اتفاق سے ۱۹۹۲ء سلطان کا ایک سو پچاسواں سال پیدایش بھی ہے، چند برس پہلے سلطان کی صاحبزادی عائشہ عثمان اوغلو نے اپنے والد سے متعلق بعض یادداشتوں کو شایع کیا تھا، اس میں سلطان کی نجی اور خانگی زندگی، بیوی بچوں کے دلچسپ حالات کے علاوہ محل سلطانی کی معاشرتی زندگی، مذہبی رسموں اور پیدایش و تخت نشینی کی تقریبات، محل میں ماہ رمضان کے استقبال، نماز جمعہ کے لیے کوکبۂ سلطانی کی ہماہمی، حرمین شریفین کے لیے خلیفہ کی جانب سے سالانہ نذرانوں کی تفصیل بھی ہے، بعض اہم سیاسی واقعات مثلاً بادشاہ جرمنی کی آمد، شاہ ایران کا دورۂ ترکی، ۲۱ جولائی ۱۹۰۵ء کا بم کا حادثہ، دستور ترکی کا اعلان، سلطان کی معزولی وغیرہ کا بھی ذکر ہے، کتاب کے مضامین میں ایسے پہلو سامنے آئے جو شاید دوسرے مصنفوں کی دسترس سے دور ہی رہتے، اس لحاظ سے اسے حیات عبدالحمید کے متعلق بنیادی اور معتبر و مستند ماخذ کی حیثیت حاصل ہوگئی، ادھر سلطان کی شخصیت اور ان کے عہد خلافت سے بڑی دلچسپی لی جارہی ہے۔ چنانچہ اس ترکی کتاب کا اب عربی اور فرانسیسی ترجمہ اردن اور فرانس سے شایع ہوگیا ہے۔

————



ترک مسلمانوں کی ظفرمندیوں اور کامرانیوں کے نقوش یورپ کے جن خطوں میں آج بھی روشن ہیں ان میں یوگوسلاویہ خاص طور پر قابل ذکر ہے، اس کی ایک ریاست بوسینا آج کل اپنے ملی و مذہبی تشخص کے لیے مخالف قوتوں سے برسرپیکار ہے، اس کی راجدھانی سراجیوو کا کتب خانہ غازی حسرو بیگووا، جنوب مشرقی یورپ کے چند ممتاز کتب خانوں میں ہے، خاص طور پر اسلامی زبانوں میں اس کے مخطوطات کا ذخیرہ نادر و بیش قیمت ہے، ۱۹۶۳ء اور ۱۹۷۹ء میں اسکے کیٹلاگ کی دو جلدیں شایع ہوئی تھیں، اب ان ہی کے انداز پر تیسری جلد بھی شایع ہوگئی ہے جس میں اخلاق و موعظت کے موضوع پر ۷۰۰ مخطوطات کا اندراج ہے، عربی، ترکی، فارسی اور بوسنیائی۔ سرب کروشیائی زبانوں کے ان مخطوطات کو عربی رسم الخط میں سنہ وار تقسیم کیا گیا ہے اور جن کی تاریخ کتابت نہیں معلوم ہوسکی ان کو الگ درج کردیا گیا ہے، آخر میں کئی اشاریے بھی دیے گئے ہیں، اہل علم کی نظر میں یہ فہرست، جنوب مشرقی یورپ میں اسلامیات کے مطالعہ کے لیے بہت مفید اور کارآمد ہے اور اب ہنگری کی اکادمی آف سائنسز اور "IRCICA" کے اشتراک و تعاون سے اس خطہ کے تمام کتب خانوں کے مخطوطات کے جمع و تدوین اور ان کی اشاعت کا منصوبہ بھی زیر عمل ہے۔

———— . ————

اسپین کا مسلم عہد، دور حاضر کے اہل علم و ادب کا پسندیدہ موضوع ہے، ۱۹۸۸ء میں میڈرڈ اسپین میں "ہسپانوی عرب اور ترجمہ و ادبی تنقید"

کے موضوع پر ایک سمپوزیم / ورکشاپ ہوا تھا، اس میں اسپین کے علاوہ الجیریا، تیونس، شام، عراق، لبنان اور مصر و مراکش کے نمائندے بھی شریک ہوئے اور اس میں تقریباً ۴۷ مقالات پیش کیے گئے، اب ان کو کتابی شکل میں شایع کر دیا گیا ہے، ترجمہ کا فن، ادبی تنقید، ہسپانوی اور لاطینی امریکی ادب میں عربی آہنگ، ہسپانوی اثر اور عرب اہل قلم اور ہسپانوی سے عربی میں ترجمہ نگاری پچاس ابواب قائم کیے گئے ہیں، کتاب کے آخر میں سمپوزیم کے نتیجہ بحث کا خلاصہ بھی دے دیا گیا ہے، اسپین و عرب کے ادبی تعلقات کے مطالعہ کے لیے یہ مجموعہ مقالات نہایت جامع اور پُر از معلومات بتایا گیا ہے۔

———•———

اسپینی زبان میں ۱۹۸۸ء ہی میں ایک اور عمدہ کتاب 'قرون وسطیٰ کے عربی ادب میں تعمیر و اختراعی جوہر' کے نام سے شایع ہوئی تھی، اس میں اسپین کے ادب پر وہاں کے محلات و مساجد 'منبر و محراب' باغ و چمن اور چشموں اور فواروں کے ......

...... اثرات کا بڑی خوبی سے جائزہ لیا گیا تھا، اب اس دلچسپ کتاب کا ترجمہ اطالوی زبان میں اٹلی سے شایع ہو گیا ہے، کتاب میں قرطبہ، غرناطہ، طلیطلہ کے علاوہ مصر، دمشق، بعلبک اور فیض کی مسجدوں، قصور و قبور کندہ تصاویر و دستاویزات کے سادے اور رنگین عکس بھی شامل کر دیے گئے ہیں جن سے اسلامی فن تعمیر کے مختلف نقوش واضح ہو جاتے ہیں۔

———•———

یورپ کے علاوہ جنوب مشرقی ایشیا میں بھی علوم اسلامیہ سے ربط و شغف کا



سلسلہ دراز ہوتا جاتا ہے، جاپان کی انٹرنیشنل یونیورسٹی کا شعبہ مطالعات شرق اوسط ۱۹۸۰ء میں قائم ہوا تھا، جاپان میں یہ اپنی نوعیت کا اولین ادارہ تھا، چند برسوں میں اس نے شرق اوسط کی سیاست، معیشت، فلسفہ، تہذیب و معاشرت، قانون اور شہری ترقی جیسے موضوعات پر تحقیق و تحریر کا گراں قدر سرمایہ فراہم کر دیا اور اس مقصد کے لیے اس نے بہترین کتابوں اور جرائد و رسائل کے حصول کی کوشش کی، چنانچہ قلیل مدت میں اس کے کتب خانہ نے جاپان میں عربی و فارسی کے مراجع و مصادر کے بہترین ذخیرہ کی حیثیت حاصل کر لی، ملک اور بیرون ملک اپنے علمی روابط کو بھی وسعت دی چنانچہ ڈرہم یونیورسٹی کے شعبۂ مطالعات اسلامی و شرق اوسط اور شام کی حلب یونیورسٹی سے علمی معاہدے کیے جن کے تحت مشترکہ سمیناروں کے انعقاد اور اساتذہ و طلبہ اور کتابوں کے تبادلہ کی راہیں ہموار ہوئیں، ادارہ نے ۱۹۸۷ء میں 'اسلامی مالیات اور بینک کاری' ۱۹۸۸ء میں 'ریاست' قومیت اور شرق اوسط میں مقامی سیاست' ۱۹۸۹ء میں قومیت اور بین ریاستی تعلقات: اسلامی نقطۂ نظر' ۱۹۹۰ء میں 'خلیج کا بحران: موجودہ صورت حال اور مستقبل کے اندیشے' اور ۱۹۹۰ء ہی میں 'نوے کی دہائی میں شرق اوسط کی صورت حال: خلیجی بحران کا مفصل تجزیہ' کے موضوعات پر سمینار اور سمپوزیم منعقد کیے، ادارہ نے اب تک تقریباً بیس کتابیں شایع کی ہیں، ان میں سے اکثر اسلام کے نظام مالیات و تجارت سے متعلق ہیں، بعض اہم کتابوں مثلاً نیچر آف اسلامک کمیونٹی' اے نیو اپروچ ٹو ہیومن اکونومکس' اے کیس اسٹڈی

آف این اسلامک اکونومی، فلاسفی آف دی اسلامک لا آف کنٹریکٹ : اے
کمپیریٹیو آف کنٹریکچول جسٹس، آن اسلامک اکاونٹنگ : اٹس فیوچر امپیکٹ آن
ویسٹرن اکاونٹنگ، اسلامک ورسز ماڈرن ویسٹرن ایجوکیشن : پراسپیکٹ فار دی
فیوچر، دی نٹ ورک آف اسلامی سٹی، آئیڈیلس، نارمس اینڈ ہیومن کمیونٹی
ان مسلم سوسائٹی، لیبر اینڈ ایکشن ان اسلام : سرچنگ فار این آوٹ لک ان لاسٹ
لیبر وغیرہ سے اس ادارہ کے کام کی نوعیت و محنت کا اندازہ ہوتا ہے۔

---

علم وتحقیق کے ہر میدان میں عجیب وغریب اور حیرت انگیز نتائج سامنے آتے رہتے ہیں، جودھ پور یونیورسٹی، دنیا کی پہلی یونیورسٹی ہے جہاں دودھ پلانے والے جانوروں یا حیوانات اعلیٰ، پر داد تحقیق دیجاتی ہے اب تک وہاں سے اس علم (PRIMATOLOGY) پر ۳۰ محققین نے اعلیٰ سندیں حاصل کی ہیں، ٹائمز آف انڈیا کی ایک خبر سے معلوم ہوا کہ جودھ پور اور اس کے اطراف میں تقریباً ڈیڑھ ہزار ہنومان لنگوروں پر تحقیق سے بعض بڑے دلچسپ نتائج سامنے آئے ہیں، مثلاً ان بندروں میں نوزائیدہ بچوں کا قتل عام بات ہے کوئی بندر جب اپنے جتھے کا سردار بنتا ہے تو سب سے پہلے اپنے پیشرو کے بچوں کو ختم کر دیتا ہے اور مادہ بندر سے تعلق استوار کرتا ہے اور یہ اسکے اقتدار و استحکام کی علامت ہے، سرداری صرف شجاعت اور بہادری کے زور پر حاصل ہوتی ہے، ان بندروں میں وقت اور ماحول سے ہم آہنگ ہونے کی حیرت انگیز صلاحیت ہوتی ہے، مثلاً حالات سازگار نہیں ہوتے تو بندرنیاں حمل کی زحمت نہیں اٹھاتی ہیں خشک سالی جیسے سخت وقت میں وہ استقرار حمل کے اصول پر عمل پیرا ہوتی ہیں تین نسلوں کے مطالعہ کے بعد محققین نے محسوس کیا کہ نوزائیدہ بچوں کے قتل سے ان بندروں کی آبادی ایک حد میں رہتی ہے۔

---

ع۔ص



ادبیات

# حمد

ڈاکٹر سعید عارفی

حریم جاں میں وہی خواہش نظر میں وہی — سبھی کے ساتھ رہا زیست کے سفر میں وہی
کلی کلی میں وہی ہے گل و ثمر میں وہی — بہار نام ہے اس کا شجر شجر میں وہی
صریر خامہ نے کھولا یہ راز کاغذ پر — کہ حرف حرف میں وہ ہے سطر سطر میں وہی
وہ استعارہ و تشبیہ کی لطافت میں — نفس نفس ہے مری فکر معتبر میں وہی
اسی کے فیض سے میرے سخن کا وجود — مرے قلم میں وہی ہے مرے ہنر میں وہی
لہو کی گردشیں اسکی نوازشوں کے طفیل — سکون دل میں وہی راحت جگر میں وہی
ہر اک مقام پہ اسکا کرم ہے سایہ فگن — پہاڑ، دشت و چمن اور بحر و بر میں وہی

اسی کے نور سے روشن ہے کائنات سعید
دیار شب میں وہی وادئ سحر میں وہی

# مطبوعات جدیدہ

**رسائل الامام الفراہی فی علوم القرآن** (جلد اول (عربی) از امام عبدالحمید الفراہی، متوسط تقطیع، کاغذ، عمدہ، خوبصورت ٹائپ، صفحات ۲۸۰، مجلد قیمت ۷۵ روپیے، پتہ: دائرہ حمیدیہ مدرسۃ الاصلاح، سرائمیر، اعظم گڑھ (ہند)

ترجمان القرآن مولانا حمید الدین فراہیؒ کے غور و فکر کا اصل محور قرآن مجید تھا اور وہ اس کے متبحر عالم تھے، یہ مجموعہ اصول تفسیر میں ان کے مندرجۂ ذیل تین رسالوں پر مشتمل ہے، دلائل النظام، اسالیب القرآن اور التکمیل فی اصول التاویل، عرصہ ہوا دائرہ حمیدیہ نے ان کو متفرق طور پر شایع کیا تھا لیکن اب یہ ناپید تھے اس لیے اکتوبر ۱۹۹۱ء میں فراہی سیمینار کے موقع پر ان کو یکجا کرکے دوبارہ شایع کیا گیا ہے، مولانا کا خاص طغرائے امتیاز نظم قرآن کی بازیافت ہے، اول الذکر رسالہ میں انھوں نے قرآن مجید کے منظم و مربوط ہونے اور اس کی آیات و سور کے اقتضاب سے خالی ہونے کے جو دلائل تحریر کیے ہیں اور اس پر وارد ہونے والے شبہات کا جو جواب دیا ہے وہ ان کے اولیات میں شمار کیے جانے کے لائق ہے، انھوں نے نظم کی معرفت کی جانب رہبری کرنے والے وسائل و ذرایع کی نشاندہی فرمانے کے بعد نظم کے استنباط کے طرق و اصول بھی بتائے ہیں، نظم کی طرح قرآنی اسالیب، ان کے مفہوم، ان کے استعمال کے مواقع وغیرہ سے واقفیت بھی اہم اور قرآن مجید



کی فہم و معرفت کے لیے ضروری ہے، دوسرا رسالہ اس حیثیت سے بڑی اہمیت کا حامل اور مفید و بیش قیمت مطالب پر مشتمل ہے، تیسرے رسالہ میں اصول تاویل کو مستقل فن بنانے کی اہمیت و ضرورت واضح کرنے کے بعد تفسیر بالرائے اور تاویل کا مطلب بتایا گیا اور تاویل کے بنیادی اور مرجح اصولوں کے ساتھ ہی اس کے باطل اصولوں کا تذکرہ بھی کیا ہے، مفسرین ایک ہی آیت کی تاویل میں گوناگوں احتمالات و وجوہ بلکہ مختلف و متضاد اقوال نقل کرتے ہیں جن سے آیت کا اصل مفہوم اور اس کی حقیقی و متعین مراد واضح نہیں ہوتی، اس رسالہ میں جن اصولوں کا ذکر ہے ان سے تفسیر بالرائے، دور از کار احتمالات اور مختلف وجوہ و اقوال کی گنجایش باقی نہیں رہتی اور قرآن مجید کی اصل منشا و مراد پوری طرح سامنے آجاتی ہے، یہ تینوں رسالے نامکمل ہونے کے باوجود قرآن مجید کے گوناگوں حقائق و معارف پر مشتمل اور مولانا کے غور و فکر اور تدبر فی القرآن کا نتیجہ ہیں، ہندوستان میں مولانا کے افکار و خیالات کے سب سے زیادہ واقف کار مولانا بدرالدین اصلاحی ناظم دائرہ حمیدیہ نے ہر رسالہ کے شروع میں ایک پُرمغز مقدمہ بھی لکھا ہے۔

**قرآنی مقالات** تقطیع خورد، کاغذ، کتابت و طباعت عمدہ، صفحات ۳۷۰ مع خوبصورت ڈسٹ کور، قیمت عام اڈیشن ۶۰ روپے، لائبریری اڈیشن ۸۰ روپے۔
پتہ ادارہ علوم القرآن، پوسٹ باکس ۹۹، سرسید نگر علی گڑھ۔

۱۹۳۶ء میں مولانا حمید الدین فراہیؒ کے سب سے ممتاز و لائق شاگرد مولانا امین احسن اصلاحی حفظہ اللہ کی ادارت میں اپنی نوعیت کا ایک منفرد ماہنامہ الاصلاح

کے نام سے دائرہ حمیدیہ مدرسۃ الاصلاح سرائے میر کی جانب سے نکلا جس کو بہت کم عمر نصیب ہوئی لیکن ع "ہے مکرر لب ساقی پہ صلا میرے بعد" یہ قرآن مجید اور اسکے متعلقات کی تحقیق و تدقیق اور خصوصاً مولانا فراہیؒ کے علوم و معارف اور قرآنی افکار و خیالات کی ترویج و اشاعت کے لیے وقف تھا، اب انہی مقاصد کو بروئے کار لانے کے لیے ادارہ علوم القرآن علی گڑھ کی داغ بیل ڈالی گئی ہے اس کا ششماہی رسالہ علوم القرآن بھی قرآنی مضامین و معلومات کے لیے مختص ہوتا ہے، ادارہ نے قرآن مجید سے متعلق اہم موضوعات پر علمی و تحقیقی کتب کی اشاعت کا منصوبہ بھی بنایا ہے، یہ کتاب اسی سلسلہ کی کڑی ہے، اس میں الاصلاح میں چھپے ہوئے ۲۵ مقالات قرآنی کو مندرجۂ ذیل پانچ عنوانات کے تحت یکجا کر کے شایع کیا گیا ہے، ۱ اصول تفسیر، ۲ تفسیر و تاویل، ۳ تحقیقات قرآنی، ۴ اقسام القرآن اور ۵ تعلیمات قرآنی، ان عنوانات سے کتاب کی نوعیت اور قدر و قیمت کا بخوبی پتہ چلتا ہے، دو مضامین خود علامہ فراہی کے ہیں باقی ان کے تلامذہ و منتسبین مولانا امین احسن اصلاحی، مولانا اختر احسن اصلاحی، مولانا بدر الدین اصلاحی، مولانا ابو اللیث اصلاحی ندوی، مولانا حافظ عبد الاحد اصلاحی اور مولانا داؤد اکبر اصلاحی کی کدوکاوش کا نتیجہ ہیں، باطنی خوبیوں کے علاوہ زبان و بیان کے لحاظ سے بھی مجموعہ خوب ہے، اس علمی، دینی اور قرآنی کتاب کی اشاعت کے لیے ادارہ لائق تحسین ہے۔

**کتابیات فراہیؒ** مرتبہ ڈاکٹر ظفر الاسلام اصلاحی، تقطیع متوسط، کاغذ، کتابت و طباعت عمدہ، صفحات ۸۰، قیمت ۱۵ روپیے پتہ: ایضاً۔



یہ علامہ فراہیؒ کی تصانیف و مضامین اور ان کے متعلق دوسروں کی تحریروں کا اشاریہ ہے جو چار حصوں میں منقسم ہے، پہلے میں مولانا کی مطبوعہ کتب ان کے اردو ترجموں، مولانا کے مضامین، افادات، مکاتیب اور مطبوعہ کلام کا ذکر ہے، دوسرے حصہ میں ان کتب اور مضامین نثر و نظم کا تذکرہ ہے جو دوسروں نے مولانا کے بارے میں لکھے ہیں، اس میں پی۔ ایچ۔ ڈی کے لیے لکھے گئے غیر مطبوعہ تحقیقی مقالات کی فہرست بھی دی ہے، تیسرا حصہ ان تبصروں کے لیے مخصوص ہے جو مختلف رسالوں میں مولانا کی تصانیف پر کیے گئے ہیں اور آخری حصہ میں ان کتب و مضامین کا اشاریہ ہے جن میں ضمناً مولانا کے بارے میں بعض معلومات درج ہیں، شروع میں لائق مرتب نے مولانا کے حالات و کمالات کا مرقع پیش کیا ہے جو پُر از معلومات ہے، اشاریہ بڑی محنت و عرق ریزی کا نتیجہ ہے اور اس سے مولانا فراہی پر کام کرنے والوں کو بڑی مدد ملے گی۔ گو لائق مرتب نے تلاش و تفحص میں کوئی دقیقہ باقی نہیں چھوڑا ہے تاہم اس طرح کے کاموں میں جیسا کہ انہیں خود بھی اعتراف ہے احاطہ بہت مشکل ہوتا ہے، انھوں نے اشاریے میں بڑی وسعت دے دی ہے اسلیے جس کتاب اور مضمون میں بھی مولانا کا نام آگیا ہے، اسے اس میں شامل کرنے کی کوشش کی گئی ہے، حصہ چہارم کے مندرجات اسی قبیل کے ہیں، اس کی وجہ سے بالخصوص بعض چیزیں نظر انداز ہو گئی ہیں مثلاً نظم قرآن (مولانا امین احسن اصلاحی، معارف جلد ۳۶ عدد ۶۔ دسمبر ۱۹۳۵ء) مولانا حمید الدین فراہیؒ اور علم حدیث پر مولانا امین احسن اصلاحی کا مضمون (معارف جلد ۴۹ عدد ۲۔ فروری ۱۹۴۲ء) دراصل طلوع اسلام دہلی اور البیان امرتسر کے جواب میں لکھا گیا ہے اشاریہ نگاری کی وسعت

کے مطابق ان دونوں کا ذکر بھی ہونا چاہیے تھا۔ مولوی محمد امین عباسی چریا کوٹی نے اپنی تصنیف جواہر خسروی میں مولانا شبلیؒ و فراہیؒ کے متعلق جو رد و کد کی ہے اس کا ذکر معارف جلد ۳ عدد ۳۔ ستمبر سنہ ۱۹ء میں ہے نامہ حالی بنام مولانا حمیدالدین فراہیؒ (معارف جلد ۲، عدد ۵۔ نومبر سنہ ۱۸ء) اور مولانا حبیب الرحمان خاں شروانی علیہ الرحمۃ والغفران (مولانا مناظر احسن گیلانی، معارف جلد ۶۶ عدد ۶، دسمبر سنہ ۵۰ء) کا ذکر بھی رہ گیا ہے، مولانا شاہ معین الدین احمد ندوی کے نام مولانا سید سلیمان ندویؒ کے جو خطوط سنہ ۲۵ء کے معارف میں چھپے ہیں ان میں بھی مولانا فراہیؒ کا بعض جگہ تذکرہ ہے، راقم نے معارف میں مولانا کی متعدد تصانیف پر تبصرہ کیا ہے ان میں سے بعض کو اشاریہ میں جگہ نہیں مل سکی ہے جیسے القائد الی عیون العقائد اور تفسیر سورہ ذاریات وغیرہ، مولانا سید سلیمان ندوی نے سیرت النبیؐ کی بعض جلدوں کے مقدمے اور بعض کے متون میں مولانا فراہیؒ سے استفادہ کا اعتراف کیا ہے، اشاریہ میں اس کی کوئی صراحت نہیں ہے، جہاں تک مولانا حمیدالدین فراہیؒ کے ذکر خیر کا تعلق ہے وہ ان کتابوں میں بھی ہے، حکیم الامت (مولانا عبدالماجد دریابادی) حیات سلیمان (مولانا شاہ معین الدین احمد ندوی)، دار المصنفین کی ادبی خدمات (ڈاکٹر خورشید نعمانی بمبئی) علامہ سید سلیمان ندویؒ شخصیت اور ادبی خدمات (ڈاکٹر محمد نعیم صدیقی ندوی) معلوم ہوتا ہے مولانا عبدالماجد دریابادی کی ادارت میں نکلنے والے سچ، صدق اور صدق جدید وغیرہ فاضل مرتب کے پیش نظر نہیں تھے اس لیے مولانا فراہیؒ کی تصانیف پر ان کے تبصروں کا کہیں ذکر نہیں ہے، تفسیر ماجدی جلد اول کے افتتاحیہ میں بھی مولانا



کا ذکر موجود ہے، مولانا حکیم سید عبدالحئی سابق ناظم ندوۃ العلما کی تصنیف الثقافۃ الاسلامیہ فی الھند کے ضمیمہ میں مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے مولانا فراہی کی متعدد تصانیف کے نام درج کیے ہیں لیکن اشاریہ اس کے ذکر سے خالی ہے علی برادران مرتبہ رئیس احمد جعفری میں مولانا امین احسن اصلاحی کا ایک مضمون مولانا محمد علی مدرستہ الاصلاح میں شامل ہے، یہ تمامتر مولانا محمد علی کے بارے میں مولانا فراہیؒ کے تاثرات پر مشتمل ہے، حال میں علوم قرآن پر شایع ہونے والے پروفیسر خلیق احمد نظامی کے مضمون مشمولہ معارف جولائی سنہ ۹۱ء کا کوئی ذکر نہیں ہے اور سہ ماہی العلم کراچی اپریل تا جون سنہ ۹۱ء میں مدرستہ الاسلام کراچی سے مولانا کے تعلق کا ذکر ایک مضمون میں ہوا ہے۔

(ض)

**براق تنگ** از جناب شمیم بلتستانی، متوسط تقطیع، بہترین کاغذ، کتابت و طباعت، مجلد مع گرد پوش، صفحات ۲۳۶، قیمت ۸۰ روپیے، پتہ: اقبال اکادمی، ۱۱۶ میکلوڈ روڈ لاہور، پاکستان۔

گلگت اور لداخ کے درمیان ہمالیہ اور قراقرم کے کوہستانی سلسلہ میں بلتستان کی خوبصورت ریاست واقع ہے، مورخین نے اسے "چھوٹا تبت" بھی کہا ہے، بلتستان کی زبان لداخی اور تبتی زبانوں کی مخلوط شکل ہے لیکن اس میں عربی اور فارسی کے اثرات بھی نمایاں ہیں، اس کا شعری سرمایہ خاصا ہے اس کے ممتاز شاعر شمیم بلتستانی، کلام اقبال کے بھی عاشق و شیدائی ہیں، ریڈیو کشمیر کی ملازمت کے دوران وہ کلام اقبال کا بلتی میں ترجمہ کرتے رہے، اب اپنی قوم کو اقبال کے کلام سے بہرہ ور کرنے کے لیے انھوں نے کلام اقبال کے ایک انتخاب کا بلتی زبان میں منظوم ترجمہ کیا ہے، جس کے معیار و صحت کے لیے اقبال اکادمی پاکستان کا نام کافی ہے۔

**ضربِ آگہی** از جناب محمد آفاق صدیقی، متوسط تقطیع، عمدہ کاغذ کتابت و طباعت، مجلد صفحات ۲۲۰، قیمت ۴۸ روپے، پتہ: آفاق نشان ۱۴۱۔ غفار منزل ایکسٹینشن، نئی دہلی ۲۵۔

زیر نظر کتاب گویا ایک ڈائری ہے جس میں زندگی کے بعض حقایق اور سچائیوں سے متعلق مولف نے اپنے مطالعہ و فکر کے نتائج کو اختصار کے ساتھ پیش کیا ہے، فکر انگیز ہونے کے علاوہ ان مختصر تحریروں میں فلسفہ و ادب اور طنز و مزاح کی خوشگوار آمیزش ہے، مثلاً "مکاری کی مساوی تقسیم پر جدید جمہوری نظام کی بنیاد قائم ہے" "میں جس قوم کا فرد ہوں اس کا ماضی نہایت شاندار رہا ہے اس لیے مجھے پسماندہ رہنا ہی عزیز ہے" لیکن بعض خیالات غیر ضروری اور مہمل سے ہیں جیسے "چاند ہماری زبان میں اگر مونث ہوتا تو سوچیے سورج سے ہمارا کیا رشتہ ہوتا" دیباچہ میں مولف کے بعض خیالات بھی محل نظر ہیں مثلاً "میر و غالب یا درد سعدی و جامی کو ان کی چند بے مثال سطروں کی وجہ سے دنیا جانتی ہے" "ہمارے یہاں تخلیقی ذہن کی نشو و نما کو بہت کم فروغ مل سکا" "تمام اثبات کو نفی میں بدلتے رہنے کی فکری مشق کا نام تصوف رکھ دیا گیا" ایک جگہ لکھتے ہیں "آدمی اجماع ضدین کا مخزن ہے"

**شعر تیرے رنگ ہزار** از جناب فخر الاسلام اعظمی، عمدہ کتابت و طباعت، ۲۰۸ صفحات، قیمت عام اڈیشن ۲۵ روپے، لائبریری اڈیشن ۳۵ روپے، پتہ: شبلی نیشنل کالج، اعظم گڈھ۔

عمدہ اور پاکیزہ اشعار کے انتخاب اور ان کی بیاض رکھنے کی روایت بڑی قدیم ہے اسی سلسلہ کی ایک کڑی یہ مجموعہ اشعار بھی ہے جس میں اعلیٰ جذبات، بلند خیالات اور زندگی کے مختلف تجربات کے عکاس اشعار کا بڑے سلیقہ سے انتخاب کیا گیا ہے، اس میں ندیانہ حمد و نعت کے علاوہ سوز و ساز کے تحت قدیم و جدید اردو غزل کے اچھے اشعار آگئے ہیں، لائق مرتب نے شعر کے ساتھ شاعر کا نام دینے سے اس لیے گریز کیا کہ قاری کسی خارجی کشش یا مرعوبیت کے بغیر شعر کے حسن سے محظوظ ہو سکے۔

ع ۔ ص